تدبّر

زیرِ نگرانی

مولانا امین احسن اصلاحی

تدبر

سلسلہ نمبر : ۳۸
شعبان : ۱۴۱۲ھ
فروری : ۱۹۹۲ء

فہرست مضامین

تذکرہ و تبصرہ

حکومت کی بے بسی کیوں؟ ______ خالد مسعود ۳

تدبر قرآن

تفسیر سورۂ توبہ (۲) ______ خالد مسعود ۶

تدبر حدیث

ایمان کے مقتضیات ______ امین احسن اصلاحی/سعید احمد ۱۶

کاروبار کی بعض ناجائز صورتیں ______ امین احسن اصلاحی/سعید احمد ۲۶

ذکر و فکر

امام فراہیؒ سیمینار ______ ابوسفیان اصلاحی ۳۴

مقالات اصلاحی۔ جلد اول ______ سعید ملک ۳۷

ضعیف احادیث کی معرفت اور ان کی شرعی حیثیت ______ خالد مسعود ۴۷

مطبوعاتِ جدید

مولانا امین احسن اصلاحی کی درج ذیل تصانیف مطالعہ فرمایئے:

○ فلسفے کے بنیادی مسائل قرآن حکیم کی روشنی میں ۵۶/- روپے

موضوعات: خدا کی ذات و صفات۔ کائنات میں انسان کا مقام۔ خیر و شر۔ جبر و اختیار۔ آخرت اور جزا و سزا۔ نظام نبوت۔

○ مقالاتِ اصلاحی۔ جلد اول ۷۶/- روپے

موضوعات: اسوۂ حسنہ۔ جماعت اسلامی سے علیحدگی کی بنیادیں۔ معاشرہ کی اصلاح کا منہاج۔ مغربی تہذیب سے مرعوبیت کے اثرات۔

○ اسلامی قانون کی تدوین ۳۶/- روپے

○ مجموعہ تفاسیر فراہی (مصنفہ امام فراہیؒ) ۱۷۶/- روپے

فاران فاؤنڈیشن

۱۲۲۔ فیروز پور روڈ۔ اچھرہ۔ لاہور ۵۴۶۰۰

فون: ۴۸۳۴۷۷

مجلسِ ترتیب

○ ـــــــــ خالد مسعود (مدیر)
○ ـــــــــ عبداللہ غلام احمد
○ ـــــــــ ماجد خاور
○ ـــــــــ محبوب سبحانی
○ ـــــــــ سعید احمد

ناشر ـــــــــ ادارہ تدبر قرآن و حدیث
رحمان سٹریٹ، مسلم کالونی، سمن آباد، لاہور
مطبع ـــــــــ المطبعۃ العربیۃ لاہور
قیمت ۸/- روپے

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

تذکرہ و تبصرہ

خالد مسعود

حکومت کی بے بسی کیوں؟

موجودہ حکومت کے عہد میں بارہا یہ دیکھنے میں آیا ہے کہ وہ زندگی کے مختلف دائروں میں اصلاح احوال کا کوئی پروگرام بناتی ہے تو خود عوام یا حکومت کے اپنے اہل کاروں کی جانب سے ایسا شدید رد عمل ہوتا ہے کہ یا تو حکومت اس پروگرام کو ٹھپ کرنے ہی میں عافیت سمجھتی ہے یا اس میں کسی ایسی ترمیم پر مجبور ہو جاتی ہے جس کے بعد اس کی تمام کاٹ ختم ہو جاتی ہے۔

پچھلے سال ٹریفک کے حادثات کی شرح میں اضافہ کو دیکھتے ہوئے ٹرانسپورٹروں پر دیت کا قانون لاگو کیا گیا تو پورے ملک میں ٹریفک جام کر کے حکومت کو بے بس اور قانون میں ترمیم کرالی گئی۔ حکومت کی تازہ ترین مہم دواؤں اور اشیائے صرف میں ملاوٹ کی روک تھام کے لئے ہے۔ اس کے خلاف مارکیٹوں نے ہڑتالیں کر کے عوام کی مشکلات میں بے پناہ اضافہ کر دیا۔ یہ اسی صورت حال کا نتیجہ ہے کہ حکومت پسپا ہو گئی اور اب اس مہم کی گھن گرج ختم ہو چکی ہے۔

جرائم میں تشویش ناک حد تک اضافہ ہو جانے پر جناب وزیر اعظم کی زبان سے یہ اعلان ہوا کہ پولیس کے موجودہ نظام کی اصلاح ناگزیر ہو چکی ہے اور عنقریب حکومت ایک نیا نظام رائج کرنے والی ہے۔ اس سلسلہ میں اندرونی طور پر کچھ ایسی مشکلات حکومت کے لئے سد راہ بن گئی ہیں کہ اس نے اپنے پروگرام کے بارے میں اب کامل خاموشی اختیار کر رکھی ہے۔ اس کی وجہ یہ نہیں کہ جرائم کی گرم بازاری میں کمی واقع ہو گئی ہے یا پولیس اب زیادہ فرض شناس ہو گئی ہے۔ تمام مسائل تو اپنی جگہ موجود ہیں' بس ان کے خلاف کسی اقدام کو جیسے کسی خفیہ ہاتھ نے روک دیا ہے۔ یہی حال رشوت خوروں کے خلاف اقدام کا ہے۔ گزشتہ برس جناب وزیر اعظم نے رشوت کے خاتمہ کو اپنی حکومت کی اولین ترجیحات میں شامل کیا لیکن آج تک اس کے لئے کوئی قانون بن سکا نہ اس کے خاتمہ کے لئے کوئی مہم شروع کی جا سکی۔ کچھ محکموں کی کارکردگی کو بہتر کرنے کے لئے

بعض تجاویز سامنے آئیں لیکن ساتھ ہی جب ملازمین نے ہڑتالوں کی دھمکی دے دی تو اصلاح کی زبان گنگ ہو گئی۔

اصلاح کو قبول نہ کرنے کا یہ رویہ عوام اور حکومت کے اہل کاروں تک ہی محدود نہیں بلکہ قوم کا وہ طبقہ جو عوام کا نمائندہ اور حکومت کی تشکیل کرتا ہے خود اسی رویہ کا حامل ہے۔ انتخابات کے موقع پر انتخابی ادارہ ہر امیدوار کی انتخابی مہم پر اٹھنے والے اخراجات کی ایک حد مقرر کرتا اور الیکشن کے بعد اس کے اخراجات کی رپورٹ مانگتا ہے۔ اس حد سے زیادہ خرچ کرنے پر کسی ممبر کا انتخاب کالعدم ہو سکتا ہے۔ دیکھا گیا ہے کہ ہر امیدوار مقررہ حد سے دسیوں گنا زیادہ خرچ کرتا اور جھوٹ موٹ حسابات پیش کر کے قانون کا منہ چڑاتا ہے لیکن آج تک کسی ممبر پر کوئی گرفت نہیں ہوئی۔ قوم کے نمائندہ قانون ساز کسی ڈسپلن کی پابندی کو اپنے لئے ہتک اور قانون شکنی کو اپنا حق سمجھتے ہیں۔

یہ تمام واقعات قوم کے لئے ایک سنگین صورت حال کی نشان دہی کرتے ہیں۔ کہیں ایسا تو نہیں کہ قوم کے ہر طبقہ میں بگاڑ اس حد تک راہ پا چکا ہے کہ وہ اصلاح ہی کو گوارا نہیں کرتا۔ اگر ایسا ہے تو یہ کسی بھی معاشرہ کے بگاڑ کی آخری حد ہوتی ہے جس پر ہر اس شخص کو فکر مند ہونا چاہئے جس کو ملک و قوم سے ذرا بھی ہمدردی ہے اور خدا سے دعا کرنی چاہئے کہ وہ ہمارے دلوں کو اتنا سخت نہ کر دے کہ وہ بھلائی کی راہ روکنے والے بن جائیں۔

حکومت کا یہ رویہ کہ وہ اپنے پروگراموں کا اعلان تو خوب گھن گرج کے ساتھ کرے لیکن ان کے خلاف رد عمل کو دیکھ کر جھاگ کی طرح بیٹھ جائے کسی طرح بھی اطمینان بخش نہیں ہے۔ ہونا یہ چاہئے کہ حکومت خاموشی سے اپنا کام کرے 'اصلاح کے کسی پروگرام کے نفاذ سے قبل میڈیا کے ذریعے اس کے حق میں فضا ہموار کرے' سکیم قابل عمل بنائے جس میں معاشرہ کے اہم طبقات کا تعاون حاصل کر سکے' پھر جب عمل درآمد شروع کر دے تو اس میں کسی کمزوری یا جانبداری کا مظاہرہ نہ کرے بلکہ آہنی عزم کے ساتھ اس پر عمل پیرا رہے۔ نیم دلانہ اور کمزور اقدامات دلوں سے مضبوط سے مضبوط حکومت کا رعب نکالنے کا باعث ہوتے ہیں۔ ایسے اقدامات سے بہتر یہ ہوتا ہے کہ معاملات کو ان کی حالت پر ہی رہنے دیا جائے تاکہ حکومت کا رعب دلوں پر قائم رہے۔

اصلاح احوال کا اولین تقاضا موجود قوانین کی عملداری اور ہر شخص کے لئے قاعدے اور ضابطے کی پابندی کو یقینی بنانا ہے۔ اس کے بغیر کوئی قوم باوقار قوم کہلانے کی مستحق نہیں ہوتی۔ اگر ہمارے ہاں صرف اسی ایک اصول کو سختی سے نافذ کیا جائے اور کسی بھی صاحب اثر کی جانب سے لاقانونیت کو برداشت نہ کرنے کا عزم کر لیا جائے تو کوئی وجہ نہیں کہ معاشرہ درست نہ ہو۔ اس وقت تو صورت حال کچھ اس طرح کی ہے کہ

بڑے سے بڑے مجرم کی پشت پناہی کرنے والے اور اس کو تحفظ بہم پہنچانے والے خود حکومت میں موجود ہیں۔ ان تک قانون کی رسائی نہیں ہے۔ قانون کا اطلاق بس انہی لوگوں کے لئے رہ گیا ہے جس کا کوئی پرسان حال نہیں۔

معاشرے کے بگاڑ کے سلسلہ میں یہ منطق فضول ہے کہ تیسری دنیا کے تمام ممالک اسی صورت حال سے دوچار ہیں۔ ان میں سے بیشتر ممالک کے پاس کوئی اخلاقی دستور العمل نہیں جبکہ ہمارے پاس ایک مکمل ضابطہ اخلاق و کردار موجود ہے۔ مسلمانوں نے دنیا کو تہذیب سکھائی ہے۔ یہ تو آخرت سے غفلت اور دنیا کی عارضی منفعت کی حرص ہے جس نے ان کو اس حال تک پہنچایا ہے کہ اصلاح احوال کی کوششوں پر انہیں اعتراض ہو رہا ہے۔ یہ ان کے لئے کوئی قابل فخر بات نہیں۔

بقیہ : کاروبار کی بعض ناجائز صورتیں

ناجائز کیوں ہو گیا۔ اس کا جواب یہ ہے کہ بنی نضیر کی جلاوطنی کا معاملہ حرمت ربوا سے پہلے کا ہے کیونکہ حرمت ربوا کا حکم حجۃ الوداع کے موقع پر آیا جس کے بعد آپ نے فرمایا **ربوا الجاہلیۃ موضوع تحت قدمی ھاتین** (جاہلیت کے زمانے کا سود میرے ان دو قدموں کے نیچے ہے)

بنی نضیر کے معاملے کی ایک دوسری توجیہ بھی ہو سکتی ہے کہ آنحضرتؐ نے اس کو ایک سیاسی مسئلے کے طور پر حل فرمایا اور اس میں کوئی خلاف شرع بات معلوم نہیں ہوتی۔ ایک قوم کو جلاوطن کیا جا رہا ہے۔ انصاف کا تقاضا ہے کہ ان کی رقم ہڑپ نہ کی جائے تو اس معاملے کا بہترین حل یہی تھا کہ وہ رقم کم لے لیں اور نقد معاملہ طے ہو جائے۔ اس صورت حال میں اور نسیہ پر تفاضل میں بنیادی فرق ہے۔ بنی نضیر کا معاملہ ایک سیاسی مسئلے کے طور پر حل کیا گیا۔ جبکہ نسیہ کا ربا اخلاقی بنیاد پر حرام ہے۔

(ترتیب: سعید احمد)

خالد مسعود

تفسیر سورۂ توبہ (۲)

اے ایمان والو' یہ مشرکین بالکل نجس ہیں تو یہ اپنے اس سال کے بعد مسجد حرام کے پاس نہ پھٹکنے پائیں اور اگر تمہیں معاشی بدحالی کا اندیشہ ہو تو اللہ اگر چاہے گا تو اپنے فضل سے تم کو مستغنی کردے گا[۱۸]' بے شک اللہ علیم و حکیم ہے O ۲۸

ان اہل کتاب سے جو نہ اللہ اور روز آخرت پر ایمان رکھتے' نہ اللہ اور اس کے رسول کے حرام ٹھہرائے ہوئے کو حرام ٹھہراتے اور نہ دین حق کی پیروی کرتے' جنگ کرو تا آنکہ وہ مغلوب ہو کر جزیہ ادا کریں اور ماتحت بن کر زندگی بسر کرنے پر راضی ہوں[۱۹] ۲۹

اور یہود عزیر کو خدا کا بیٹا کہتے ہیں اور نصاری مسیح کو اللہ کا بیٹا کہتے ہیں۔ یہ سب ان کے اپنے منہ کی باتیں ہیں۔ یہ ان لوگوں کی بات نقل کر رہے ہیں جو ان سے پہلے جتلائے کفر ہوئے[۲۰]

۱۸۔ یہ مشرکین سے اعلان براءت کے سلسلہ کی آخری ہدایت ہے۔ نجاست سے مراد مشرکین کی عقائدی نجاست ہے جس کے سبب سے وہ ابراہیمی مرکز توحید کے ساتھ تعلق رکھنے کے قابل نہیں رہے تھے۔ اس حکم کے معاشی اثرات کے حوالہ کا سبب یہ ہے کہ حج کو تجارتی اور کاروباری پہلو سے بھی بڑی اہمیت حاصل تھی اور مشرکین کو حج سے روک دینے سے تجارت پر خراب اثر پڑنے کا اندیشہ تھا۔

۱۹۔ یہ اہل کتاب کے بارے میں دو ٹوک حکم دیا ہے کہ یہ مفسدین اب کسی مزید مہلت کے حق دار باقی نہیں رہ گئے ہیں۔ ان سے بھی جنگ کرو یہاں تک کہ مغلوب ہو کر جزیہ دیں اور ماتحت بن کر زندگی بسر کرنے پر راضی ہوں۔ یہ حکم مشرکین بنی اسماعیل کے سوا تمام دوسرے مذاہب کے وابستگان کے لئے ہے۔

۲۰۔ یعنی ان کے پیشروؤں نے ان کے لئے جو گورکھ دھندا کفر و ضلالت کا تیار کر دیا ہے یہ آنکھ بند کر کے اسی کی تقلید کر رہے ہیں اور بدیہی حقائق کو قبول کرنے پر آمادہ نہیں۔

اللہ ان کو غارت کرے۔ کہاں ان کی عقل الٹی ہوئی جا رہی ہے O انہوں نے اللہ کے سوا اپنے فقیہوں اور راہبوں کو رب بنا ڈالا اور مسیح ابن مریم کو بھی حالانکہ انہیں صرف ایک ہی معبود کی عبادت کا حکم دیا گیا تھا۔ اس کے سوا کوئی معبود نہیں' وہ پاک ہے ان چیزوں سے جن کو یہ شریک ٹھہراتے ہیں O یہ چاہتے ہیں کہ اللہ کے نور کو اپنی پھونکوں سے بجھا دیں اور اللہ کا یہ اٹل فیصلہ ہے کہ وہ کافروں کے علی الرغم اپنے نور کو کامل کر کے رہے گا O وہی ہے جس نے اپنے رسول کو ہدایت اور دین حق کے ساتھ بھیجا ہے کہ اس کو سارے دین پر غالب کر دے[۲۱] ان مشرکوں کے علی الرغم O ۳۲

اے ایمان والو' ان فقیہوں اور راہبوں میں بہتیرے ایسے ہیں جو لوگوں کا مال باطل طریقوں سے ہڑپ کرتے اور اللہ کی راہ سے روکتے ہیں[۲۲] اور جو لوگ سونا اور چاندی ڈھیر کر رہے ہیں اور اسے خدا کی راہ میں خرچ نہیں کرتے ہیں ان کو ایک دردناک عذاب کی خوش خبری سنا دو[۲۳] O اس دن جس دن دوزخ میں اس پر آگ دہکائی جائے گی۔ پھر اس سے ان کی پیشانیاں' ان کو پہلو اور ان کی پیٹھیں داغی جائیں گی۔ یہ ہے وہ جو تم نے اپنے لئے ذخیرہ کیا۔ تو اب چکھو جو تم جمع کرتے رہے ہو O ۳۵

بے شک مہینوں کی تعداد' اللہ کے ہاں نوشتۂ الٰہی میں' جس دن سے اس نے آسمانوں اور

۲۱۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کا سب سے بڑا مقصد یہ تھا کہ سرزمین حرم کفر و شرک کی ہر آلائش سے پاک ہو جائے اور دعوت ابراہیمی کا مرکز' دعائے ابراہیمی کے بموجب 'تمام عالم کے لئے ہدایت اور روشنی کا سرچشمہ' بن جائے۔ فرمایا کہ تمام مشرکین کی کوششوں کے علی الرغم دین اسلام اس سرزمین کے ہر دین پر غالب ہو کر رہے گا۔

۲۲۔ یعنی اہل کتاب کے مذہبی رہنما تک اپنے فرائض منصبی کو بھلا کر مال و دولت کے پجاری اور اللہ کی راہ سے لوگوں کو روکنے والے بن گئے ہیں۔ اب ان کی اصلاح کن کے ہاتھوں ہو گی؟

۲۳۔ یہ زکوٰۃ سے الگ انفاق فی سبیل اللہ میں کوتاہی کی سزا بیان ہوئی ہے۔ اگر مال کے ڈھیر رکھتے ہوئے کوئی شخص ناداروں کے حقوق سے بے پروا رہے اور دعوت دین اور جہاد فی سبیل اللہ کے کاموں سے بے تعلق ہو جائے تو وہ عنداللہ مواخذہ سے بری نہیں ہو سکتا اگرچہ اس نے اپنے مال میں سے زکوٰۃ کا قانونی مطالبہ پورا کر دیا ہے۔

زمین کو پیدا کیا' بارہ مہینے ہیں جن میں چار حرمت والے ہیں۔ یہی دین قیم ہے تو تم ان میں اپنی جانوں پر ظلم نہ ڈھانا۔ ۲۴۔ اور مشرکوں سے جنگ کرو من حیث الجماعت' جس طرح وہ تم سے جنگ کرتے ہیں من حیث الجماعت۔ اور جان رکھو کہ اللہ خدا ترسوں کے ساتھ ہے○ یہ نسی کفر میں ایک اضافہ ہے ۲۵۔ جو کافروں کی گمراہی کا ایک ذریعہ بنائی گئی۔ کسی سال اس کو حلال ٹھہرا دیتے ہیں کسی سال حرام کہ خدا کے حرام کئے ہوئے کی گنتی پوری کر کے اس کے حرام کئے ہوئے کو جائز بنا لیں۔ ان کی نگاہوں میں ان کے برے اعمال کھبا دیئے گئے ہیں اور اللہ کافروں کو راہ یاب نہیں کرے گا○ ۳۷

اے ایمان والو! تمہیں کیا ہو گیا ہے کہ جب تم سے کہا جاتا ہے کہ اللہ کی راہ میں جہاد کے لئے نکلو تو تم زمین پر ڈھے پڑتے ہو۔ کیا تم آخرت کے مقابل میں دنیا کی زندگی پر قانع ہو بیٹھے ہو؟ ۲۶۔ آخرت کے مقابلے میں یہ دنیا کی زندگی تو نہایت ہی حقیر ہے○ اگر تم نہ اٹھو گے تو خدا تمہیں دردناک عذاب دے گا اور تمہاری جگہ دوسری قوم لائے گا اور تم اس کو کچھ بھی نقصان نہ پہنچا سکو گے اور اللہ ہر بات پر قادر ہے○ اگر تم اس کی مدد نہ کرو گے تو کچھ پروا نہیں۔ اس کی مدد تو اللہ نے اس وقت فرمائی جب کافروں نے اس کو اس حال میں نکالا کہ وہ صرف دو کا دوسرا تھا جب کہ وہ دونوں غار میں تھے۔ جب کہ وہ اپنے ساتھی سے کہہ رہا تھا کہ تم غم نہ کرو' اللہ ہمارے ساتھ ہے۔

۲۴۔ جس طرح اسلام ایک فطری دین ہے اسی طرح قمری مہینوں کے حساب سے بارہ مہینوں کے سال پر مبنی قمری تقویم صحیح فطری دینی جنتری ہے جس کی شہادت کائنات میں موجود ہے۔ ان بارہ مہینوں میں سے چار مہینے حرمت والے ہیں۔ ان کا لحاظ رکھتے ہوئے مشرکین سے جنگ کرو۔

۲۵۔ نسی سے مراد مشرکین عرب کا وہ نظام ہے جس کے تحت انہوں نے تجارتی مقاصد کے تحت حج و عمرہ کے مہینے ایک ہی موسم میں لانے کا بندوبست کر لیا تھا۔ وہ قمری مہینوں کو شمسی مہینوں کے مطابق کرنے کے لئے ہر آٹھ سالوں میں قمری سال میں تین ماہ کا اضافہ کر لیتے۔ اس کے نتیجہ میں حرمت کے مہینے اپنی جگہ سے ہٹ جاتے۔ اس طریقہ کو قریش کے کفر میں ایک اضافہ قرار دیا ہے جو ملت ابراہیم سے ان کے مزید انحراف کا موجب ہوا۔

۲۶۔ یہاں روئے سخن ان منافقین کی طرف ہے جو اپنی تن آسانی اور مفاد پرستی کے سبب سے جہاد سے جی چرا رہے تھے۔ ان کی اصل بیماری کا پتہ دیا ہے کہ یہ آخرت سے صرف نظر کر کے دنیا کی زندگی اور اس کی لذتوں اور راحتوں پر قانع ہو گئے ہیں۔

تو اللہ نے اس پر اپنی سکینت نازل فرمائی اور اس کی مدد ایسی فوجوں کے ذریعے سے کی جو تمہیں نظر نہیں آئیں اور اس نے کافروں کی بات پست کی اور اللہ ہی کا کلمہ بلند رہا۔ ۲۷۔ اور اللہ غالب اور حکیم ہے○ ۴۰

اٹھو' معمولی سامان کے ساتھ بھی اور بھاری سامان کے ساتھ بھی' اور اپنے مال اور اپنی جان سے اللہ کی راہ میں جہاد کرو۔ یہ تمہارے لئے بہتر ہے اگر تم جانو○ اگر لقمہ تر ہوتا اور سفر آسان تو یہ تمہارے پیچھے ضرور لگ جاتے لیکن ان پر یہ منزل کٹھن ہو گئی ۲۸۔ اور اب یہ اللہ کی قسمیں کھائیں گے کہ اگر ہم نکل سکتے تو تمہارے ساتھ ضرور نکلتے۔ یہ خود اپنے آپ کو ہلاکت میں ڈال رہے ہیں اور اللہ جانتا ہے کہ یہ بالکل جھوٹے ہیں○ ۴۲

اللہ نے تمہیں معاف کیا' تم نے ان کو اجازت کیوں دے دی' یہاں تک کہ جو راست باز ہیں وہ بھی تم پر ظاہر ہو جاتے اور جھوٹوں کو بھی تم جان لیتے○ جو اللہ اور آخرت پر سچا ایمان رکھتے ہیں وہ کبھی مال و جان سے جہاد نہ کرنے کی تم سے رخصت مانگنے نہیں آئیں گے۔ اللہ اپنے متقی بندوں سے خوب باخبر ہے○ رخصت مانگنے کے لئے تو وہی آتے ہیں جو اللہ اور روز آخرت پر ایمان نہیں رکھتے اور جن کے دل شک میں مبتلا ہیں اور وہ اپنے شک میں ڈانوا ڈول ہیں ۲۹○ اور اگر وہ نکلنا چاہتے تو کچھ سامان کر ہی لیتے لیکن اللہ نے ان کے اٹھنے کو پسند نہیں کیا تو ان کو بٹھا دیا اور کہہ دیا گیا کہ جاؤ بیٹھنے والوں کے ساتھ بیٹھو○ ۴۶

۲۷۔ یعنی اللہ کے رسول پر ایک دن وہ بھی گزرا جب وہ صرف ایک ساتھی کے ہمراہ غار میں پناہ گیر تھا لیکن پھر وہ دن بھی آیا جب کفر کا سر نیچا اور اللہ کا کلمہ بلند ہوا۔ پس یہ خدا کی ضرورت نہیں بلکہ تمہاری اپنی سعادت ہے کہ جہاد کے لئے اٹھو۔

۲۸۔ یہ منافقین کے جہاد سے جی چرانے کی مثال غزوہ تبوک سے دی ہے جو ۹ ہجری کے موسم گرما میں شام کی سرحد پر پیش آیا تھا۔ منافقین نے موسم کی شدت' طویل مسافت اور منظم فوج سے مقابلہ کے خطرات کے پیش نظر اس جہاد میں شامل ہونے سے گریز کیا لیکن بعد میں جھوٹے عذرات پیش کر کے اپنی کمزوری پر پردہ ڈالنے کی کوشش کی۔ یہاں ان کے جھوٹ کو آشکارا کیا ہے۔

۲۹۔ یہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو نہایت دلنواز انداز میں آپ کی اس نرمی اور چشم پوشی پر ٹوکا ہے جو آپ بر بنائے کریم النفسی منافقین کے جھوٹے عذرات قبول کر لینے میں ظاہر فرماتے تھے۔ اس طرح منافقین دلیر ہو کر آپ کی اجازت کو اپنے چہرے کی نقاب بنا لیتے۔ پھر آپ کے سامنے منافق اور مخلص کے درمیان امتیاز کے لئے

اگر یہ لوگ تم میں مل کر نکلتے تو تمہارے لئے خرابی ہی بڑھانے کے باعث بنتے اور تمہارے درمیان ان کی ساری بھاگ دوڑ فتنہ انگیزی کے لئے ہوتی ۳۰ اور تم میں ان کی سننے والے ہیں اور اللہ ظالموں سے خوب باخبر ہے○ یہ پہلے بھی فتنہ انگیزی کی کوشش کر چکے ہیں اور انہوں نے واقعات کی صورت تمہارے سامنے بدلی یہاں تک کہ ان کے علی الرغم حق آگیا اور اللہ کا حکم ظاہر ہوا○۴۸

اور ان میں وہ بھی ہیں جو کہتے ہیں کہ مجھے رخصت دے دیجئے اور فتنہ میں مبتلا نہ کیجئے۔ سن لو یہ فتنہ میں گر چکے ۳۱۔ اور بے شک جہنم کافروں کا احاطہ کئے ہوئے ہے○ اور اگر تمہیں کوئی کامیابی حاصل ہوتی ہے تو انہیں دکھ ہوتا ہے اور اگر تمہیں کوئی مصیبت پہنچتی ہے تو کہتے ہیں خوب ہوا' ہم نے پہلے ہی اپنا بچاؤ کر لیا تھا اور مگن ہو کر لوٹتے ہیں○ ان کو بتا دو کہ ہمیں صرف وہی چیز پہنچے گی جو اللہ نے ہمارے لئے لکھ رکھی ہے۔ وہ ہمارا مولی ہے اور اللہ ہی پر اہل ایمان کے لئے بھروسہ کرنا زیبا ہے○ ان سے کہہ دو کہ تم تو بہرحال ہمارے لئے دو بھلائیوں میں سے کسی ایک کے متوقع ہو ۳۲۔ لیکن ہم تمہارے باب میں اس امر کے متوقع ہیں کہ اللہ یا تو تم پر اپنے پاس سے عذاب بھیجے گا یا ہمارے ہاتھوں۔ تو تم بھی متوقع رہو' ہم بھی تمہارے ساتھ انتظار کرنے والوں میں شامل ہیں○۵۲

ایک کسوٹی رکھ دی ہے جس سے معلوم ہو سکتا ہے کہ ان منافقین کے عذرات محض بناوٹی ہیں۔

۳۰۔ منافقین تقریباً ہر جنگ کے موقع پر مسلمانوں کو نقصان پہنچانے' ان کے درمیان فساد برپا کرنے اور اپنی فتنہ پردازی سے معاملات کو الٹنے کی کوشش کرتے رہے تھے۔ اس لئے آگاہ کیا ہے کہ ان کا جنگ کے لئے نہ نکلنا مصلحت الٰہی کے مطابق تھا۔ اگر یہ نکلتے تو ان کی ساری بھاگ دوڑ مسلمانوں کے درمیان فتنہ اٹھانے کی راہ میں ہوتی۔

۳۱۔ یہ بعض ایسے منافقین کی طرف اشارہ ہے جنہوں نے عذر تراشنے میں کچھ دینداری کی بھی نمائش کی تھی کہ گویا وہ اپنے دین و اخلاق کو فتنہ سے بچانے کے لئے اس جنگ میں نہیں جا رہے ہیں۔ ان کی جھوٹی دینداری کی قلعی کھول کر دکھایا ہے کہ ان کے دلوں میں اسلام اور مسلمانوں کے خلاف کیا بغض بھرا ہوا ہے۔

۳۲۔ دو بھلائیوں سے مراد فتح یا شہادت ہے۔ اہل ایمان کے لئے مصیبت اور راحت' دکھ اور سکھ' موت اور زندگی دونوں ہی میں خیر ہوتا ہے۔ ایک سے مومن کو صبر' کمزوریوں کی اصلاح اور توبہ کی تربیت ملتی ہے' دوسری سے شکر نعمت' ادائے حقوق اور احسان کی ترغیب ہوتی ہے۔

ان سے کہہ دو تم خوشی سے خرچ کرو یا ناخوشی سے' تمہارا کوئی انفاق قبول نہیں ہو گا' تم بدعہد لوگ ہو○ یہ اپنے انفاق کی قبولیت سے صرف اس وجہ سے محروم ہوئے کہ انہوں نے اللہ اور اس کے رسول کا کفر کیا اور نماز کے لئے جو آتے ہیں تو مارے باندھے آتے ہیں اور خرچ کرتے ہیں تو بادل ناخواستہ○ تو تم ان کے مال و اولاد کو کچھ وقعت نہ دو ۳۳۔ اللہ تو بس یہ چاہتا ہے کہ یہ چیزیں ان کے لئے اس دنیا کی زندگی میں موجب عذاب بنیں اور ان کی جانیں حالت کفر میں نکلیں○۵۵

اور یہ اللہ کی قسمیں کھا کھا کے اطمینان دلاتے ہیں کہ وہ تم میں سے ہیں۔ حالانکہ وہ تم میں سے نہیں۔ بلکہ یہ ڈرپوک لوگ ہیں○ اگر یہ کوئی ٹھکانا' کوئی غار یا کوئی گھس بیٹھنے کی جگہ پا جاتے تو رسی تڑا کر ادھر کو بھاگ کھڑے ہوتے○ اور ان میں وہ بھی ہیں جو تم پر صدقات کے بارے میں عیب لگاتے ہیں۔ اگر اس میں سے پاتے ہیں تو راضی رہتے ہیں اور اگر نہیں پاتے تو برہم ہو جاتے ہیں○ ۳۴۔ اور اگر وہ اس پر قانع رہتے جو ان کو اللہ اور اس کے رسول نے دیا اور کہتے کہ ہمارے لئے اللہ ہی بس ہے' اللہ اپنے فضل سے ہمیں نوازے گا اور اس کا رسول بھی' ہم تو اللہ ہی کے تمنائی ہیں تو یہ ان کے لئے بہتر ہوتا○ صدقات تو بس محتاجوں' مسکینوں' عاملین صدقات اور تالیف قلوب کے سزاواروں کے لئے ہیں اور اس لئے کہ یہ گردنوں کے چھڑانے' تاوان زدوں کے سنبھالنے' اللہ کی راہ اور مسافروں کی امداد میں خرچ کئے جائیں ۳۵۔ یہ اللہ کا مقرر کردہ فریضہ ہے اور اللہ علیم و حکیم ہے۔○۶۰

۳۳۔ یہ منافقین پر واضح کیا ہے کہ تمہارا کوئی انفاق بھی خدا کے ہاں مقبول نہیں اس لئے کہ تم ایمان سے عاری ہو۔ تمہارا انفاق مجبورانہ اور تمہاری نماز ریاکارانہ ہے۔ خدا کسی کے مال کا محتاج نہیں۔ وہ صرف انہی کا انفاق قبول کرتا ہے جو سچے ایمان اور پورے جذبہ اخلاص کے ساتھ اس کے دین کی خدمت کرتے ہیں۔

۳۴۔ منافقین کا ایک گروہ محض صدقات کے مال میں حصہ بٹانے کی حد تک نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ساتھی تھا۔ اگر خواہش کے مطابق پا جاتے تو راضی ورنہ آنحضرتؐ کے خلاف طرح طرح کی باتیں بناتے۔ آگے صدقات کے مستحقین کی تفصیل بیان کر کے یہ اشارہ دیا ہے کہ یہ لوگ بغیر کسی استحقاق کے صدقات کے مال میں شریک ہونا چاہتے ہیں۔

۳۵۔ عاملین سے مراد صدقات کی وصولی پر مامور لوگ ہیں۔ تالیف قلب کے سزاوار وہ لوگ ہیں جن کی دلداری اسلامی حکومت کے مصالح کے تحت ضروری ہوتی ہے۔ صدقات غلاموں کو طوق غلامی سے نجات

اور انہی میں وہ لوگ بھی ہیں جو نبی کو ایذا پہنچاتے ہیں اور کہتے ہیں وہ تو بس کان ہی کان ہیں۔ کہہ دو وہ سراپا گوش تمہاری بھلائی کے باب میں ہے۔ وہ اللہ پر ایمان رکھتا ہے' اہل ایمان کی بات باور کرتا ہے اور تم میں سے جو ایمان لائے ان کے لئے رحمت ہے۔ اور جو اللہ کے رسول کو ایذا پہنچا رہے ہیں ان کے لئے دردناک عذاب ہے○ ۳۶۔ وہ تمہارے آگے اللہ کی قسمیں کھاتے ہیں کہ تمہیں مطمئن کریں' حالانکہ اگر وہ مومن ہیں تو اللہ اور اس کا رسول اس بات کے زیادہ حق دار ہیں کہ یہ اس کو راضی کریں○ کیا انہیں علم نہیں کہ جو اللہ اور اس کے رسول کی مخالفت کرے گا اس کے لئے جہنم کی آگ ہے جس میں وہ ہمیشہ رہے گا۔ یہ بہت بڑی رسوائی ہے○ ۶۳

منافقین کو اندیشہ ہے کہ مبادا ان پر کوئی ایسی سورہ اتار دی جائے جو ان کو ان کے دلوں کے بھیدوں سے آگاہ کر دے۔ کہہ دو مذاق اڑالو' اللہ ظاہر کر کے رہے گا جس سے تم ڈرتے ہو○ ۳۷۔ اور اگر تم ان سے پوچھو گے تو جواب دیں گے کہ ہم تو محض سخن گستری اور جی بہلانے کی باتیں کر رہے تھے۔ ان سے پوچھو کیا تم اللہ' اس کی آیات اور اس کے رسول کے ساتھ ہنسی مسخری کر رہے تھے○ ۳۸۔ باتیں نہ بناؤ تم نے ایمان کے بعد کفر کیا ہے۔ اگر ہم تمہاری کسی جماعت سے درگزر بھی کر لیں تو دوسری کسی جماعت کو ضرور سزا دیں گے بوجہ اس کے کہ وہ مجرم ہیں○ ۶۶

دلانے اور ان کی بہبود و ترقی کے لئے بھی خرچ کئے جا سکتے ہیں۔ تاوان زدہ وہ شخص ہے جو اپنے کاروبار میں نقصان یا کسی اور سبب سے ایسے بار یا قرضے کے نیچے آ گیا ہو کہ اس کے لئے تنہا اپنے ذرائع سے اپنے آپ کو

سنبھالنا ممکن نہ رہا ہو۔

۳۶۔ یہ ان منافقین کی طرف اشارہ ہے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف پروپیگنڈہ کرتے کہ آپ کان کے کچے ہیں۔ ہر ایرے غیرے کی بات سن اور مان لیتے ہیں۔ جب ان کی اس ہجو پر گرفت کی جاتی تو جھوٹی قسمیں کھاتے اور لایعنی صفائی پیش کرتے۔ فرمایا پیغمبر کے متعلق ان کا یہ گمان غلط ہے۔ وہ تو خدا کی رہنمائی میں چلتے اور اہل ایمان کی باتوں پر کان دھرتے ہیں۔

۳۷۔ سورہ توبہ کے نزول سے پہلے منافقین کے رویہ پر جو تنقید ہوئی وہ اشارات کی نوعیت کی تھی تاکہ وہ اصلاح کرنا چاہیں تو اصلاح کر لیں۔ اس سورہ میں ان کو جو بدلا ہوا لب و لہجہ نظر آیا تو گھبرائے کہ مبادا کوئی ایسی سورہ نازل ہو جائے جو ان کے سارے اسرار کو بے نقاب کر کے رکھ دے۔ فرمایا کہ اب ایسا ہی ہو گا۔

۳۸۔ یعنی کیا اب تمہاری دل لگی اور مشق سخن گستری کے لئے اللہ کی آیتیں اور اس کا رسول ہی رہ گئے ہیں۔ ایسا کرنا تو ایمان کے اظہار کے بعد کفر کا اعلان کرنا ہے۔

منافق مرد اور منافق عورتیں سب ایک ہی چٹے کے بٹے ہیں ۳۹۔ یہ برائی کا حکم دیتے اور بھلائی سے روکتے اور ہاتھوں کو بند رکھتے ہیں۔ انہوں نے اللہ کو بھلا رکھا ہے تو اللہ نے بھی ان کو نظر انداز کر دیا ہے۔ یہ منافق بڑے ہی بد عہد ہیں○ منافق مردوں' منافق عورتوں اور کفار سے اللہ نے جہنم کی آگ کا وعدہ کر رکھا ہے ۴۰۔ جس میں وہ ہمیشہ رہیں گے۔ یہی ان کے لئے کافی ہے اور ان پر اللہ کی لعنت اور ان کے لئے دائمی عذاب ہے○ ان لوگوں کی مانند جو تم سے پہلے ہو گزرے۔ وہ قوت و شوکت میں تم سے زیادہ اور مال و اولاد میں تم سے بڑھ چڑھ کر تھے تو انہوں نے اپنے حصہ سے فائدہ اٹھایا اور تم نے بھی اپنے حصہ سے فائدہ اٹھا لیا جیسا کہ تمہارے اگلوں نے اپنے حصہ سے فائدہ اٹھایا اور تم نے بھی اسی طرح بکواس کی جس طرح انہوں نے کی۔ یہی لوگ ہیں جن کے اعمال دنیا اور آخرت میں ڈھے گئے اور یہی لوگ نامراد ہونے والے ہیں ○ ۴۱۔ کیا انہیں ان لوگوں کی سرگزشت نہیں پہنچی جو ان سے پہلے گزرے۔ قوم نوح' عاد' ثمود' اور قوم ابراہیم' اصحاب مدین اور الٹی ہوئی بستیوں کی۔ ان کے پاس ہمارے رسول کھلی کھلی نشانیاں لے کر آئے۔ تو اللہ ان کے اوپر ظلم کرنے والا نہیں بنا بلکہ وہ خود اپنی جانوں پر ظلم ڈھانے والے بنے○ ۷۰

اور مومن مرد اور عورتیں ایک دوسرے کے رفیق ہیں۔ یہ بھلائی کا حکم دیتے اور برائی سے روکتے ہیں اور نماز کا اہتمام کرتے اور زکوۃ دیتے ہیں اور اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرتے ہیں۔ یہ لوگ ہیں کہ اللہ ان کو اپنی رحمت سے نوازے گا ۴۲۔ اللہ عزیز و حکیم ہے○ مومن مردوں اور مومن عورتوں سے اللہ کا وعدہ ایسے باغوں کے لئے ہے جن کے نیچے نہریں جاری ہوں

۳۹۔ یہاں منافق مردوں کے ساتھ منافق عورتوں کا ذکر کر کے دونوں کو برابر کا شریک جرم قرار دیا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ نفاق کے کھیل میں عورتوں کا بھی نمایاں حصہ تھا۔ ان کا مردوں کے تابع ہونا ان کے لئے عذر نہیں ہو سکتا کیوں کہ اپنی نجات کے لئے جدوجہد ہر نفس کی خود اپنی ذمہ داری ہے۔

۴۰۔ یہاں منافقین کو اہل ایمان سے چھانٹ کر الگ اور مشرکین کا شریک و سہیم قرار دیا ہے۔

۴۱۔ مطلب یہ ہے کہ جس طرح اگلی قوموں کے اعمال دنیا اور آخرت دونوں میں ڈھے گئے اور وہ نامراد ہوئیں اسی طرح تمہارے اعمال بھی دنیا اور آخرت میں ڈھے جائیں گے اور تم بھی نامراد ہو گے۔ اللہ تعالیٰ کے فیصلے کسی کے مال و اولاد کو دیکھ کر نہیں بلکہ اس کے اعمال و کردار کی بنا پر صادر ہوتے ہیں۔

۴۲۔ یہ مومن مردوں اور مومنہ عورتوں کا کردار بیان کیا ہے جو منافقین کے کردار کا عین ضد ہے۔ آخرت میں ان کی فوز و فلاح کی خبر دی ہے۔

گی' ان میں وہ ہمیشہ رہیں گے اور پاکیزہ مکانوں کے لئے ابد کے باغوں میں اور اللہ کی خوشنودی بھی جو سب سے بڑھ کر ہے۔ بڑی کامیابی یہی ہے○۷۲

اے نبی! کفار اور منافقین سے جہاد کرو اور ان پر سخت بن جاؤ۔ اور ان کا ٹھکانہ جہنم ہے اور وہ نہایت ہی برا ٹھکانہ ہے○۷۳ ۴۳۔ یہ اللہ کی قسمیں کھاتے ہیں کہ انہوں نے نہیں کہا حالانکہ انہوں نے کفر کا کلمہ کہا اور اپنے اسلام کے اظہار کے بعد کفر کا ارتکاب کیا اور انہوں نے وہ چاہا جو وہ نہ پا سکے ۴۴۔ ان کا یہ عناد صلہ ہے صرف اس بات کا کہ اللہ اور اس کے رسول نے ان کو اپنے فضل سے غنی کیا۔ اگر یہ توبہ کر لیں تو ان کے لئے بہتر ہے اور اگر یہ اعراض کریں گے تو خدا ان کو دردناک عذاب دے گا دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی اور زمین میں نہ کوئی ان کا یار ہو گا نہ مددگار○۷۴

اور ان میں سے وہ بھی ہیں جنہوں نے اللہ سے عہد کیا کہ اگر اللہ نے ہمیں اپنے فضل سے نوازا تو ہم خوب صدقہ کریں گے اور خوب نیکیاں کرنے والوں میں سے ہوں گے○ تو اللہ نے جب ان کو اپنے فضل میں سے عطا فرمایا تو وہ اس میں بخیل بن بیٹھے ۴۵۔ اور برگشتہ ہو کر منہ پھیر لیا○ تو اس کی پاداش میں خدا نے ان کے دلوں میں اس دن تک کے لئے نفاق جما دیا جس دن وہ اس سے ملیں گے بوجہ اس کے کہ انہوں نے اللہ سے کئے ہوئے وعدے کی خلاف ورزی کی اور بوجہ اس کے کہ وہ جھوٹ بولتے رہے○۷۶ کیا انہیں یہ معلوم نہیں کہ اللہ ان کے راز اور ان کی سرگوشی کو

۴۳۔ یعنی منافقین تمہاری نرمی اور کریم النفسی سے فائدہ اٹھا کر اسلام اور مسلمانوں کے ساتھ چمٹے ہوئے ہیں اب ان کے بارے میں اپنا رویہ سخت کرو تاکہ یہ اپنے کیفر کردار کو پہنچیں۔

۴۴۔ یہ اشارہ ہے منافقین کی ان باتوں کی طرف، جو وہ اپنی مجلسوں میں اللہ اور رسول کا مذاق اڑانے کے لئے کرتے اور جب ان پر گرفت کی جاتی تو قسمیں کھاتے کہ ہم نے کوئی ایسی بات نہیں کی۔ یہ ان کے کفر کی ایک دلیل بیان فرمائی ہے۔

۴۵۔ اسلام سے پہلے یہ لوگ نہایت غریب تھے۔ اسلام کے بعد اللہ نے ان کو رزق کی وسعت دی۔ اس کا صلہ انہوں نے یہ دیا کہ اسلام ہی کی بیخ کنی کی سازشیں کرنے لگ گئے۔

۴۶۔ یعنی فقر کی حالت میں کئے گئے وعدوں کو مال پانے کے بعد بالکل بھول گئے اور ان کا عمل وعدوں کے خلاف رہا۔ اس چیز نے ان کے نفاق کو پختہ سے پختہ تر کر دیا۔ یہ نفاق ان کے نقض عہد اور طویل جھوٹ کا مولود فساد ہے۔

جانتا ہے اور اللہ تمام غیب کو جاننے والا ہے○ ان لوگوں کی سرگوشیوں کو جو خوش دلی سے انفاق کرنے والے اہل ایمان پر ان کے صدقات کے باب میں نکتہ چینی کرتے ہیں اور جو غریب صرف اپنی محنت مزدوری ہی سے انفاق کرتے ہیں تو ان پر پھبتیاں چست کرتے ہیں ۴۷۔ اللہ نے ان کا مذاق اڑایا اور ان کے لئے دردناک عذاب ہے○ ان کے لئے مغفرت چاہو یا نہ چاہو۔ اگر تم ان کے لئے ستر بار بھی مغفرت چاہو گے تو بھی اللہ ان کو بخشنے والا نہیں ۴۸۔ یہ اس وجہ سے کہ انہوں نے اللہ اور اس کے رسول کا انکار کیا اور اللہ بدعہدوں کو راہ یاب نہیں کرتا○۸۰

۴۷۔ تنگدل دوسروں کو بھی تنگدل دیکھنا چاہتا ہے تاکہ اسے کوئی تنگدل کہنے والا باقی نہ رہے۔ یہی نفسیات بخیلوں اور کنجوسوں کی ہوتی ہے اور یہی ان منافقین کی بھی تھی۔ وہ غریب مسلمانوں کے انفاق پر طنز کرتے اور ان پر پھبتیاں چست کرتے۔

۴۸۔ یہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو منافقین کے حق میں مغفرت کی دعا کرنے کی ممانعت کی ہے۔ ستر کا عدد گنتی کو ظاہر نہیں کرتا بلکہ کثرت اور بے پایاں کثرت کے اظہار کے لئے ہے۔

امین احسن اصلاحی

ایمان کے مقتضیات

باب ۱۸ـ من قال ان الایمان هو العمل لقول الله تعالی و تلک الجنة التی اور ثتموها بما کنتم تعملون و قال عدة من اهل العلم فی قوله تعالی فوربک لنسئلنهم اجمعین عما کانوا یعملون عن قول لا اله الا الله و قال لمثل هذا فلیعمل العاملون۔

ترجمہ ـــــ باب ان لوگوں کے بارے میں جن کا دعویٰ یہ ہے کہ ایمان عمل کا نام ہے۔ دلیل اس کی اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ہے کہ یہ جنت جو تم کو وراثت میں ملی ہے بوجہ اس عمل کے ہے جو تم کرتے تھے۔ اور متعدد اہل علم نے اللہ تعالیٰ کے قول "تیرے رب کی قسم ہم ان سب سے ضرور پوچھیں گے جو کچھ وہ عمل کرتے رہے" کے متعلق یہ کہا ہے کہ اس سے مراد لا الہ الا اللہ ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کا یہ قول ہے کہ "عمل کرنے والوں کو اسی طرح عمل کرنا چاہئے۔"

پہلی آیت میں جنت کی وراثت کا بیان تو دین پر عمل کرنے سے متعلق ہے۔ اس کو صرف ایمان سے تعبیر نہیں کیا جا سکتا۔ البتہ اس سے یہ بات نکلتی ضرور ہے کہ عمل ایمان کے مقتضیات میں سے لازم ہے۔ دوسری آیت "جو کچھ عمل وہ کرتے رہے" سے ایمان مراد لینا صحیح نہیں۔ متعدد اہل علم کی رائے ہو تو ہوا کرے۔ بخاری میں تفسیر کے متعلق اس طرح کی جو روایات آئی ہیں وہ بیشتر اہل تاویل کے اقوال ہیں جن میں بعض کی نسبت بھی مشتبہ معلوم ہوتی ہے۔ اس آیت میں دیکھئے "یعملون" سے ایمان مراد لینے کا کوئی تک نہیں۔ اگر یہ کہا جائے کہ اس لفظ میں دین کے سب اعمال مراد ہیں جن میں ایمان بھی شامل ہے' ان سب کے متعلق آخرت میں سوال ہو گا تو آیت کی یہ تعبیر درست ہو گی۔

۲۵ـ حدثنا احمد بن یونس و موسی ابن اسماعیل قال حدثنا ابراہیم بن سعد قال حدثنا ابن شهاب عن سعید بن المسیب عن ابی هریرہ ان رسول الله صلی الله علیه وسلم سئل

ای العمل افضل فقال ایمان بالله و رسوله قیل ثم ماذا قال الجهاد فی سبیل الله قیل ثم ماذا قال حج مبرور

ترجمہ ـــــ حضرت ابوہریرہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا گیا کہ کون سا عمل سب سے افضل ہے۔ آپؐ نے فرمایا کہ اللہ اور رسول کے اوپر ایمان۔ پھر سوال کیا گیا اس کے بعد' فرمایا اللہ کے راستے میں جہاد' پھر پوچھا گیا اس کے بعد کون سا فرمایا حج خالص۔

ترجمہ ـــــ وضاحت: اس روایت میں یہ مشکل ہے کہ ایسے ہی سوالات آنحضرتؐ سے مختلف مواقع پر کیے گئے تو آپ نے ان کے مختلف جواب دیئے تو یہ اختلاف کیوں ہے؟ اس روایت میں خاص بات یہ ہے کہ ایمان باللہ کے بعد جہاد کا ذکر ہے حالانکہ ایمان اور جہاد میں بڑا فاصلہ ہے۔ جہاد زندگی کے ان اعمال میں سے نہیں جن پر زندگی میں مداومت واجب ہے۔ یہ تو ان اعمال میں سے ہے کہ جب ضرورت پیش آجائے تو بڑی نیکی اور جب نفیر عام ہو جائے تو سب سے بڑا فرض عظم بن جاتا ہے۔ لیکن نماز' روزہ' زکواۃ تو روز مرہ کی چیزیں ہیں جن پر مداومت دین میں مطلوب ہے۔ اس سے بھی عجیب تر یہ بات ہے کہ روایت میں جہاد کے بعد حج مبرور کا ذکر آیا ہے' حالانکہ حج بھی بعض حالات میں فرض نہیں ہوتا۔ اس کی فرضیت کی بہت سی شرطیں ہیں۔ پھر یہ کہ زندگی میں ایک مرتبہ کافی ہے۔ اس میں شبہ نہیں کہ یہ بہت بڑی نیکی ہے لیکن دوسری عبادتوں کے مقابل میں اس کو افضل ترین تو قرار نہیں دیا جا سکتا۔

میرے نزدیک اس کی توجیہ یہ ہے کہ سوالوں کے جواب سائل کے لحاظ سے دیئے جاتے ہیں۔ سائل کا سوال کچھ ہوتا ہے لیکن جواب دینے والا حکیم ہو تو وہ جانتا ہے کہ کیا جواب دیتا ہے۔ اس کی نظیریں حدیث میں بہت ملتی ہیں۔ اہل بدو میں سے کوئی آتا ہے تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم اس کا جواب اور طریقے سے دیتے ہیں تاکہ وہ واپس جا کر لوگوں کو سکھائے۔ اہل علم میں سے کوئی بات پوچھتا ہے تو حضور اسی سوال کا جواب اور طریقے سے دیتے ہیں۔ میرے نزدیک اس روایت کی کوئی معقول توجیہ ہو سکتی ہے تو یہی ہے کہ آنحضرت نے جواب سوال کرنے والے شخص اور موقع کے لحاظ سے دیا ہے۔ دوسری توجیہ یہ بھی ہو سکتی ہے کہ روایت نامکمل ہو اور اس میں تمام پہلو صحیح طور پر تعبیر نہ کیے جا سکے ہوں۔

باب ۱۹ـ اذا لم یکن الاسلام علی الحقیقة وکان علی الاستسلام اوالخوف من القتل لقوله تعالی قالت الاعراب امنا قل لم تو منوا ولکن قولوا اسلمنا۔ فاذا کان علی الحقیقة فهو علی قوله جل ذکرہ ان الدین عندالله الاسلام الایة۔

ترجمہ ... باب اس بارے میں کہ اگر اسلام حقیقی نہ ہو' محض زبردستی یا قتل کے خوف سے اسلام لایا گیا ہو' جیسا کہ قرآن مجید (۴۹-۱۴) میں آیا ہے۔ "بدو کہتے ہیں ہم ایمان لائے ان کو بتا دو کہ تم ایمان نہیں لائے بلکہ یوں

کیونکہ ہم نے اطاعت کرلی ہے۔" جو اسلام حقیقی ہو گا تو وہ اللہ تعالیٰ کے اس قول کے مطابق ہو گا کہ "اللہ کے نزدیک اصل دین اسلام ہے" (۳-۱۹)

وضاحت ... جہاں تک آیات کی تفسیر کا معاملہ ہے اس کے لئے تفسیر کی کتابیں دیکھنی چاہئیں۔ اہل تاویل میں سے ہو سکتا ہے کسی کا قول وہ ہو جو امام صاحب نے بیان کیا ہے۔ اپنی جگہ یہ بات ٹھیک ہے کہ ایمان حقیقی بھی ہوتا ہے اور غیر حقیقی بھی۔ ظاہری عمل کو ایمان نہیں کہا جا سکتا' ہو سکتا ہے کہ طمع' آزمائش یا خوف کے سبب سے آدمی اسلام کا اظہار کر رہا ہو۔ آج کل اسلام ایک زبانی دعویٰ ہے۔ نہ اس میں کچھ حقیقت ہے نہ ایمان' نہ اسلام۔

۲۶ - حدثنا ابو الیمان قال اخبرنا شعیب عن الزہری قال اخبرنی عامر بن سعد بن ابی وقاص عن سعد ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اعطی رھطا" و سعد جالس فترک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رجلا ھو اعجبھم الی فقلت یا رسول اللہ مالک عن فلان فواللہ انی لاراہ مومنا فقال او مسلما فسکت قلیلا ثم غلبنی ما اعلم منہ فعدت لمقالتی فقلت مالک عن فلان فواللہ انی لاراہ مومنا فقال او مسلما فسکت قلیلا ثم غلبنی ما اعلم منہ فعدت لمقالتی وعاد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ثم قال یا سعد انی لاعطی الرجل وغیرہ احب الی منہ خشیتہ ان یکبہ اللہ فی النار

ترجمہ ... ابو الیمان کہتے ہیں کہ ہم سے شعیب نے زہری سے روایت کیا کہ انہوں نے عامر بن سعد سے اور انہوں نے اپنے باپ سعد بن ابی وقاص سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کچھ لوگوں کو عطیہ دیا جبکہ سعد وہاں بیٹھے ہوئے تھے۔ کہتے ہیں کہ رسول اللہ نے ایک شخص کو چھوڑ دیا جب کہ میرے نزدیک وہ بڑا پسندیدہ آدمی تھا۔ میں نے کہا۔ یا رسول اللہ کیا بات ہے کہ آپ فلاں آدمی سے اعراض فرما رہے ہیں۔ خدا کی قسم میں تو ان کو مومن خیال کرتا ہوں۔ آپؐ نے فرمایا مسلم کہو۔ میں تھوڑی دیر خاموش رہا لیکن پھر اس شخص کے بارے میں میری معلومات مجھ پہ غالب آ گئیں اور میں نے اپنی بات دہرائی۔ کہا کیا بات ہے آپ فلاں سے اعراض کر رہے ہیں' خدا کی قسم میں ان کو مومن خیال کرتا ہوں' آپ نے فرمایا مسلم کہو۔ میں تھوڑی دیر خاموش رہا۔ پھر میری معلومات میرے اوپر غالب آ گئیں اور میں نے پھر اپنی وہی بات دہرائی اور رسول اللہ نے بھی وہی جواب دیا۔ پھر آنحضرتؐ نے فرمایا۔ اے سعد' میں بسا اوقات ایک شخص کو دیتا ہوں دراں حالیکہ دوسرا مجھے زیادہ محبوب ہوتا ہے' محض اس اندیشے کی وجہ سے کہ کہیں اللہ تعالیٰ اس کو آگ میں اوندھا نہ کر دے۔

وضاحت ... آپؐ نے او مسلما کا لفظ اس لئے فرمایا کہ قطعیت کے ساتھ مومن کہنے کی بجائے مسلم کہو۔ اگر

ایمان ہو گا تو مسلم کہنے میں خود ہی مراد ہو گا اور اگر نہیں ہو گا تو ایک غلط دعویٰ کا الزام نہیں آئے گا۔

کمتر محبوب کو دینے کی وجہ یہ بیان فرمائی کہ اگر نہ دیا تو اس کے بدگمانی میں مبتلا ہونے کا اندیشہ ہے۔ ممکن ہے کہ طرح طرح کی تہمتیں تراشے' مجھے جانبدار کہے اور کسی کی رعایت کرنے والا سمجھے اور یہ چیز اس کو جہنم میں لے جائے۔ یعنی ایسے آدمی کو میں تالیف قلب کی غرض سے دیتا ہوں۔ مطلب یہ ہے کہ کسی کو نہ دینا اس بات کی دلیل نہیں کہ میرے نزدیک اس کی دینی اعتبار سے اہمیت نہیں۔

باب ۲۰ - افشاء السلام من الاسلام و قال عمار ثلث من جمعھن فقد جمع الایمان الانصاف من نفسک و بذل السلام للعالم و الانفاق من الاقتار۔

ترجمہ ... سلام کا پھیلانا اسلام میں سے ہے۔ عمار کہتے ہیں کہ تین چیزیں جس نے جمع کرلیں تو اس نے ایمان کو جمع کر لیا۔ ایک تو یہ کہ خود اپنے نفس کے بارے میں انصاف کرے۔ دوسرے سلام کو پھیلائے تمام عالم کے لئے اور تیسرے غربت کے باوجود انفاق کرے۔

وضاحت ... عمار کی روایت مرفوع معلوم نہیں ہوتی۔ یہ ان کا قول ہے۔ جہاں تک سلام کے پھیلانے کا تعلق ہے اس کی روایت اوپر باب ۶ میں گزر چکی ہے۔

حضرت عمارؓ کے قول میں بیان کردہ تینوں چیزیں معاشرے کے تعلق سے بڑی نمایاں خوبیاں ہیں۔ افشائے سلام کیا جائے تو یہ اللہ کی برکت اور اسلامی اخوت کا بڑا ذریعہ ہے۔ اپنے نفس کے بارے میں انصاف کرنا عدل کا بڑا اعلیٰ معیار ہے۔ لوگ دوسروں کے بارے میں تو عدل کر لیتے ہیں لیکن اپنے نفس کا احتساب نہیں کرتے۔ غربت میں انفاق کی تحسین قرآن مجید نے بھی کی ہے۔ یہ تینوں باتیں عمارؓ نے بڑی حکیمانہ کہی ہیں۔

۲۷ - حدثنا قتیبۃ قال حدثنا اللیث عن یزید بن ابی حبیب عن ابی الخیر عن عبداللہ بن عمرو ان رجلا سال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ای الاسلام خیر قال تطعم الطعام و تقرء السلام علی من عرفت و من لم تعرف۔

ترجمہ ... عبداللہ بن عمرو بن عاص سے روایت ہے کہ ایک آدمی نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا کہ کون سا اسلام سب سے اچھا ہے۔ آنحضرت نے فرمایا کہ کھانا کھلاؤ اور سلام کہو ان سے بھی جن کو تم جانتے ہو اور ان سے بھی جن کو نہیں پہچانتے ہو۔

وضاحت ... کھانا کھلانے سے مراد مطلب برادری کے لئے ہوٹلوں میں پارٹیاں دینا نہیں بلکہ اس ارشاد نبویؐ میں غریبوں کو کھانا کھلانے کی فضیلت بیان ہوئی ہے۔

دوسری فضیلت سلام کرنے کی ہے۔ میرے نزدیک اس میں زور اس بات پر ہے کہ سلام کرنے میں واقف اور ناواقف میں تفریق نہیں کرنی چاہئے۔ یہ نہ ہو کہ آپ صرف اپنے جانے پہچانے لوگوں کو سلام کریں

اور دوسروں سے اعراض کریں۔ حکم کا یہ منشاء نہیں کہ آپ ہر راہ چلتے کا پیچھا کر کے اس کو جا سلام کریں۔ سلام کا ایک موقع اور محل ہوتا ہے۔ آپ کسی سے ملنے جائیں تب سلام کرنے کا موقع ہے۔ مسجد میں یا کسی مجلس میں جائیں تب سلام کا موقع ہے۔ ایسے موقع پر صرف شناسا آدمی کو سلام کرنا صحیح نہیں۔ البتہ حکم کا مدعا یہ ہے کہ سلام عام ہونا چاہئے۔ یہ بات آداب میں سے ہے کہ سب کو سلام کریں اور پھر مجلس میں جو واقف ہوں ان سے مصافحہ بھی کر لیں۔

باب ۲۱ - کفران العشیر و کفر دون کفر فیہ عن ابی سعید عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم۔

ترجمہ... خاوند کی ناشکری اور ایک کفر کے دوسرے کفر سے کم ہونے کا باب۔ یہ بات ابو سعید نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کی۔

وضاحت... مطلب یہ ہے کہ اس باب میں دو قسم کی روایات ہیں۔ ایک تو خاوند کی ناشکری کی کہ وہ بھی کفر میں شامل ہے' حالانکہ یہ چیز اصلی کفر سے بہت ہلکی ہے۔ دوسری قسم یہ کہ ایک کفر دوسرے کفر سے کم و بیش ہوتا ہے۔ یعنی جس طرح ایمان کے مدارج ہیں اسی طرح کفر کے بھی مدارج ہیں۔

۲۸ - حدثنا عبداللہ بن مسلمۃ عن مالک عن زید بن اسلم عن عطاء بن یسار عن ابن عباس قال قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم اریت النار فاذا اکثر اھلھا النساء یکفرن قیل ایکفرن باللہ قال یکفرن العشیر ویکفرن الاحسان لو احسنت الی احداھن الدھر ثم رات منک شیاء قالت مارایت منک خیرا قط۔

ترجمہ... حضرت عباس ؓ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مجھے دوزخ کا مشاہدہ کرایا گیا تو میں نے دیکھا کہ اس میں اکثریت ان عورتوں کی ہے جو کفر کرتی ہیں۔ پوچھا گیا کہ وہ اللہ کا کفر کرتی ہیں۔ فرمایا نہیں وہ شوہر کی اور احسان کی ناقدری کرتی ہیں اور ان کا حال یہ ہے کہ زندگی بھر ان پر احسان کرو پھر وہ تم میں ذرا سی بات دیکھ لیں تو کہیں گی کہ تم سے میں نے کبھی کوئی نیکی دیکھی ہی نہیں۔

وضاحت... اس روایت کا مفہوم واضح ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو دوزخ کا مشاہدہ کرایا گیا۔ آپ نے دیکھا کہ وہاں اکثریت عورتوں کی ہے جن کا گناہ یہ ہے کہ وہ خاوندوں کی ناشکری کرتی رہیں اور اس احسان کی ناقدری کرتی تھیں جو ان کے شوہروں نے ان پر کیا۔ اس روایت میں کئی پہلوؤں سے اشکال موجود ہے۔ مثال کے طور پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے خود ہی شوہر کی ناشکری کو عورتوں کی ایک عام عادت فرمایا ہے۔ شوہر سے ذرا سی کوتاہی ہو جائے تو بہت سی عورتیں عاوتاً" اس طرح کے جملے بولتی ہیں کہ تمہارے جیسا نالائق میں نے عمر بھر نہیں دیکھا' تمہارے ہاتھوں کوئی خیر کبھی دیکھا ہی نہیں' وغیرہ۔ یہ بات غلط ہوتی ہے' مبالغہ آمیز ہوتی ہے لیکن بالعموم وقتی جذبے کے تحت منہ سے نکل جاتی ہے۔ خود یہ بات کہنے والی عورتوں کے نزدیک بھی اس کے کچھ حقیقی معنی نہیں ہوتے اور نہ ہی وہ اس کا کوئی مستقل اثر باقی رکھتی ہیں۔ فوراً ہی ان کا رویہ شوہر سے پہلے کا سا ہو جاتا ہے۔ تو کیا عادتاً" کہی ہوئی یہ بات فی الواقع اس قدر سنگین ہے کہ وہ عورتوں کو جہنم میں لے جائے گی؟

سورہ قارعہ کی روشنی میں جس شخص کے اعمال میزان میں ہلکے ہوں گے اس کا ٹھکانہ جہنم میں ہو گا۔ قرآن میں یہ بات بھی واضح طور پر فرمائی گئی ہے کہ جو شخص ایک دفعہ جہنم میں داخل ہو گیا تو اس کے لئے اس میں سے نکلنے کی کوئی صورت نہیں ہو گی۔ قرآن نہایت قطعیت کے ساتھ کہتا ہے۔ **خالدین فیھا** (اس میں ہمیشہ رہیں گے) **لابثین فیھا احقابا** (اس میں ہمیشہ رہیں گے)

دوزخ سے نکلنے کا عقیدہ یا تو یہود کے ہاں ملتا ہے یا باطنیہ کے ہاں۔ ہمارے ہاں اس کو ابن عربی اور بعض دوسرے صوفیوں نے رائج کیا ہے۔ قرآن مجید اس کی کامل نفی کرتا ہے۔ اس طرح کی جہنم میں بظاہر اتنے ہلکے جرم کی بنا پر ڈالا جانا سمجھ میں نہیں آتا۔ روایت میں شوہر کی ناشکری کو کفر کہا گیا ہے جبکہ حقیقی کفر اللہ کا انکار اور اللہ کی ناشکری ہے۔ شوہر کی ناشکری اگر ہے تو گناہ صغیرہ ہے۔ تو کیا یہ گناہ صغیرہ دخول اور خلود فی النار کا سبب ہو گا؟

میرے نزدیک روایت میں کچھ جھول ہے۔ ہو سکتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے شوہر کی ناشکری کی جو ملامت کی ہو وہ ہو تو لگ بھگ اسی طرح کی لیکن راوی نے بات ٹھیک ٹھیک اخذ نہ کی ہو۔ امام نووی اس کی توجیہ **اذا کثرت الصغیرۃ صارت کبیرہ** (چھوٹے گناہ زیادہ ہو کر بڑے بن جاتے ہیں) کے اصول پر کرتے ہیں۔ اس اصول کی دلیل سورہ بقرہ کی آیت **من کسب سیئۃ واحاطت بہ خطیئتہ فاولئک اصحب النار** (جس شخص نے گناہ کیا اور اس کے گناہ نے اس کا احاطہ کر لیا تو ایسے لوگ دوزخی ہیں) میں موجود ہے۔

خطیہ گناہ کے لئے معمولی لفظ ہے' کوئی بڑا سنگین لفظ نہیں۔ احاطہ کر لینے کا مطلب یہ ہے کہ آدمی اپنے گناہ پر اصرار کرتا رہے' اس کو توبہ کی توفیق نہ ہو اور اسی پر مرے۔ جس طرح آکاس بیل کسی پودے پر چڑھ جائے تو اس کو چوس کر اس کا رس ختم کر دیتی ہے اور وہ پودا سوکھ جاتا ہے' اسی طرح کسی معصیت کو اوڑھنا بچھونا بنا لینا انسان کو لے ڈوبتا ہے اور اس کو جہنم میں پہنچا دیتا ہے۔ اس آیت کی روشنی میں روایت کی توجیہ یہ ہو گی کہ جو عورتیں زندگی بھر شوہر کی ناشکری پر مصر رہتی ہیں وہ اس کو اپنے لئے ایسی معصیت بنا لیتی ہیں جس کا انجام بڑے گناہوں جیسا ہوتا ہے۔

حضورؐ نے یہ جو فرمایا کہ جہنم میں اکثریت عورتوں کی تھی تو معلوم ہوتا ہے آپ کا یہ تبصرہ اس حصہ دوزخ پر ہے جس کا مشاہدہ آپ کو کرایا گیا۔ اس حصہ میں آپ کو وہ لوگ دکھائے گئے ہوں گے جو چھوٹے گناہوں پر

اصرار کرنے کے نتیجہ میں دوزخ کے مستحق بن گئے ہوں گے۔ اس گروہ میں عورتوں کی اکثریت رہی ہو گی۔ معراج کی روایت میں اس بات کی مثالیں موجود ہیں کہ حضور کو مختلف اقسام کے گناہوں کے نتائج کا مشاہدہ کرایا گیا۔

یہ روایت لا کر امام بخاریؒ باب سے ربط پیدا نہیں کر سکے۔ ثابت تو انہیں یہ کرنا تھا کہ سب کفر ایسا نہیں ہوتا کہ جہنم میں لے جائے بلکہ کفر چھوٹا بھی ہوتا ہے لیکن روایت یہ لائے کہ عورتیں شوہر کی ناشکری کے باعث جہنم میں زیادہ تعداد میں جائیں گی۔

باب ۲۲ - المعاصی من امر الجا هلیته۔ ولا یکفر صاحبها بار تکا بها الا بالشرک لقول النبی صلی الله علیه وسلم انک امرء فیک جاهلیته و قول الله تعالی ان الله لا یغفر ان یشرک به ویغفر مادون ذالک لمن یشاء وان طائفتن من المومنین اقتتلوا فاصلحوا بینهما فسما هم المومنین۔

ترجمہ ... چھوٹے گناہ امر جاہلیت میں سے ہیں۔ ان کے مرتکب کی تکفیر نہیں کی جائے گی الا آنکہ وہ شرک کرے۔ اس لئے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد (حضرت ابو ذر غفاریؓ سے) ہے کہ تم ایسے آدمی ہو جس میں جاہلیت کی بو ہے اور اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے کہ اللہ شرک کو نہیں بخشے گا اور دوسرے چھوٹے گناہ جس کے چاہے گا بخش دے گا۔ نیز اگر مسلمانوں کی دو جماعتیں لڑ پڑیں تو ان دونوں میں صلح کرا دو۔ تو ان لڑنے والوں کو بھی مومنین کا نام دیا ہے۔

وضاحت ... امام صاحب نے یہ بات معتزلہ کے رد میں کہی ہے۔ معتزلہ معاصی یعنی چھوٹے گناہوں پر تکفیر کرتے تھے۔ امام صاحب نے اس کا جواب یہ دیا ہے کہ معاصی کا شمار امور جاہلیت میں ہے۔ ان کے ارتکاب پر تکفیر کرنے کی کوئی وجہ نہیں کیونکہ گناہ تو آدمی سے ہوتے ہی رہتے ہیں 'کبھی جہل سے 'کبھی غفلت سے 'تکفیر اس وقت ہوتی ہے جب ایک شخص جرم کرتا ہے اور اس کو وہ جرم نہیں مانتا بلکہ اس کو نیکی ثابت کرنے کی کوشش کرتا ہے جیسے کہ اس زمانے کے ملاحدہ ہیں۔

۲۹ - حدثنا عبدالرحمن بن المبارک قال ثنا حماد بن زید قال ثنا ایوب و یونس عن الحسن عن الا حنف بن قیس قال ذهبت لانصر هذا الرجل فلقینی ابوبکرة فقال این ترید قال انصر هذا الرجل قال ارجع فانی سمعت رسول الله صلی الله علیه وسلم یقول اذا التقی المسلمان بسیفیهما فالقاتل و المقتول فی النار قلت یا رسول الله هذا القاتل فما بال المقتول قال انه کان حریصا علی قتل صاحبه۔

ترجمہ ... احنف بن قیس کہتے ہیں کہ میں نکلا کہ فلاں صاحب کی مدد کروں تو مجھے ابو بکرہؓ ملے۔ انہوںؓ نے پوچھا

کہاں جا رہے ہو۔ میں نے کہا کہ میں ان حضرت کی مدد کرنا چاہتا ہوں۔ انہوں نے کہا گھر چلو۔ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے۔ آپؐ نے فرمایا کہ جب دو مسلمان اپنی تلواریں سونت کر نکل کھڑے ہوں تو قاتل اور مقتول دونوں دوزخ میں ہوں گے۔ میں نے کہا یا رسول اللہ قاتل کی بات تو ٹھیک ہے لیکن مقتول کیوں دوزخ میں ہو گا۔ فرمایا کہ وہ بھی تو اپنے ساتھی کے قتل کا حریص تھا۔

وضاحت ... احنف بن قیسؓ جس شخص کی مدد کے لئے نکلنا چاہتے تھے ان کا نام روایت میں نہیں آیا۔ دوسری روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ مراد حضرت علیؓ ہیں اور یہ واقعہ ان کے زمانہ خلافت کا ہے جب مسلمانوں میں خانہ جنگی شروع ہو گئی تھی۔

آنحضرتؐ کے اس ارشاد کا کہ قاتل اور مقتول دونوں دوزخی ہیں 'ایک خاص محل ہے۔ یہ اس شکل میں ہے جب دونوں کا ارادہ ایک دوسرے کو قتل کرنے کا ہو۔ اس صورت میں اگر ایک کا داؤ چل گیا اور اس نے اپنے مخالف کو قتل کر دیا تو اس سے مقتول مظلوم ثابت نہیں ہوتا کیونکہ اس کا داؤ بھی تو کامیاب ہو سکتا تھا۔ اگر وہ کامیاب ہو جاتا تو قاتل بھی قتل ہو سکتا تھا۔

ابو بکرہؓ نے روایت کا جو مفہوم لیا ہے وہ قرآن میں بیان کردہ ہابیل اور قابیل کے قصہ کے خلاف ہے۔ اس میں ہابیل اپنے بھائی سے یہ کہتے ہیں کہ اگر تم مجھے قتل کرتے ہو تو بہر حال میں تمہارے اوپر قتل کے لئے ہاتھ نہیں اٹھاؤں گا۔ میں چاہتا ہوں کہ تم میرا اور اپنا گناہ اپنے سر لو اور جہنم میں جاؤ۔ ہابیل اس قول میں مدافعت کے حق کا انکار نہیں کر رہے ہیں۔ بلکہ یہ کہتے ہیں کہ مدافعت کی صورت میں اگر تم میرے ہاتھوں مارے گئے تو گناہ تمہی پر ہو گا کیونکہ میرا ارادہ تمہیں قتل کرنے کا نہیں۔ معلوم ہوا کہ دو لڑنے والوں میں سے ایک اگر اپنا دفاع کر رہا ہے تو اس صورت پر آنحضرتؐ کے ارشاد کا اطلاق نہیں ہو گا۔ یہی تعلیم حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ہاتھوں قبطی کے قتل کے واقعہ سے ملتی ہے۔ ان کا ارادہ قبطی کو قتل کرنے کا نہ تھا۔ بس ان کا گھونسا کچھ ایسا پڑ گیا کہ وہ وہیں ڈھیر ہو گیا۔

ابو بکرہؓ نے حضورؐ کے ارشاد کا نہ صحیح محل سمجھا ہے اور نہ احنف بن قیسؓ کو صحیح مشورہ دیا ہے۔ دو مسلمانوں کی لڑائی میں تیسرا مسلمان غیر جانبدار تماشائی نہیں بن سکتا۔ اس کے فرائض میں ہے کہ مداخلت کرے۔ قرآن مجید کا حکم ہے کہ لڑنے والوں میں صلح کراؤ اور اگر اس کے بعد بھی ایک فریق دوسرے فریق پر تعدی کرے تو اس سے جنگ کرو تا آنکہ وہ اللہ کے فیصلے کی طرف رجوع کرلے۔

اس حکم کا صاف مدعا یہ ہے کہ پہلے مصالحت کی تدبیر کی جائے۔ جب صلح کا نقطہ پیدا ہو جائے تو اس کے بعد جو فریق ضد کرے اس کے مقابلہ میں مظلوم کا ساتھ دے کر جنگ کی جائے۔ میرے نزدیک دو مسلمانوں کو لڑتے چھوڑ کر گھر چلنے کے مشورہ میں علم نبوت کی روشنی نہیں ہے۔

فرض کریں ایک شخص دونوں فریقوں کو باطل سمجھتا ہے۔ وہ یہ پالیسی تو رکھ سکتا ہے کہ دونوں میں سے کسی کا ساتھ نہ دے لیکن اس صورت میں بھی اس کا اخلاقی اور ایمانی فرض ہے کہ حق نصیحت ادا کرے۔ وہ غیر جانبدار نہیں رہ سکتا۔

۳۰ ۔ حدثنا سلیمان بن حرب قال حدثنا شعبتہ عن واصل الاحدب عن المعرور قال لقیت ابا ذرا" بالربذہ و علیہ حلتہ وعلی غلامہ حلتہ فسالتہ عن ذالک فقال انی ساببت رجلا فعیرتہ بامہ فقال لی النبی صلی اللہ علیہ وسلم یا ابا ذر عیرتہ بامہ انک امرء فیک جاھلیتہ اخوانکم خولکم جعلھم اللہ تحت ایدیکم فمن کان اخوہ تحت یدہ فلیطعمہ مما یا کل ولیلبسہ مما یلبس ولا تکلفو ھم ما یغلبھم فان کلفتمو ھم فاعینو ھم۔

ترجمہ ... معرور سے روایت ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ میں نے ابوذر غفاریؓ سے ربذہ میں ملاقات کی تو ان کا اور ان کے غلام کا سوٹ ایک جیسا تھا۔ میں نے اس کا سبب معلوم کیا۔ انہوں نے کہا کہ میں نے ایک شخص سے گالم گلوچ کی اور اس کو اس کی ماں کا طعنہ دے بیٹھا۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے کہا کہ اے ابوذر تم نے اس کی ماں کے بارے میں اس پر فقرہ چست کیا ہے۔ تم ایک ایسے شخص معلوم ہوتے ہو جس میں ابھی جاہلیت کی بو باقی ہے۔ یہ سن لو کہ یہ غلام تمہارے بھائی ہیں۔ ان کو اللہ تعالیٰ نے تمہارے ہاتھ میں دے دیا ہے۔ تو جس کا بھائی

اس کے ماتحت ہو تو اس کو چاہئے کہ اسے کھلاوے جو خود کھاتا ہے اور پہناوے جو خود پہنتا ہے۔ اول تو ان کو ایسے کام کی تکلیف نہ دو جو ان کو دبا دے اور اگر کوئی ایسا کام ان کے ذمہ لگا ہی بیٹھو تو اس میں ان کا ہاتھ بٹاؤ۔

وضاحت...

"حلہ" عربی میں اس سوٹ کو کہتے ہیں جس کی قمیض اور تہمد ایک ہی کپڑے اور رنگ کی ہو۔

حضرت ابوذر غفاریؓ مساوات کے بڑے علمبردار تھے۔ ان کو اور ان کے غلام کو ایک ہی سوٹ میں دیکھ کر معرور کو یہ بات کھٹکی کیونکہ اس زمانے میں غلام اور آقا کا بڑا فرق تھا۔ انہوں نے پوچھا کہ یہ کیا بات ہے۔ اس پر حضرت ابوذر غفاریؓ نے بیان کیا کہ دراصل بات یہ ہے کہ ایک دفعہ میں ایک غلام سے گالم گلوچ کر بیٹھا اور اس پر اس کی ماں کے تعلق سے فقرہ چست کر دیا۔ آنحضرت نے سن لیا اور فرمایا کہ تم نے اس کو ماں کے تعلق سے عار دلایا ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ تم میں ابھی جاہلیت کی بو باقی ہے۔ تمہارے بھائی ہیں یہ تمہارے غلام۔ ان غلاموں کو اللہ تعالیٰ نے تمہارے ہاتھ میں دیا ہے تو چاہئے کہ مالک ان کو کھلائے اور پہنائے اس میں سے جو خود کھاتا یا پہنتا ہے۔ اس جملے میں زور اخوانکم پر دینے کے لئے اس کو خو لکم سے پہلے کر دیا ہے۔ اس کی بہت عمدہ مثالیں قرآن مجید میں بھی موجود ہیں اور حدیث میں بھی۔ اس کے زور کو اردو میں منتقل کرنا مشکل ہے۔

یہ واقعہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اگر آپ کو یہ توفیق دی ہے کہ کوئی شخص آپ کے لئے کھانا پکا کر دیتا ہے تو

کوئی وجہ نہیں ہے کہ وہ کھانے میں شریک نہ ہو اور اس گوشت کباب میں سے نہ کھائے جو اس نے خود تلا ہے۔ اگر کوئی مالک اس کو محروم رکھے گا تو وہ کھانا اس کے اندر ایمان نہیں پیدا کرے گا۔

جن لوگوں نے حضور کے اس ارشاد کی تاویلیں کی ہیں یہ وہی لوگ ہیں جنہوں نے غلامی کے مسئلے میں اسلام کی ساری اصلاحات کو مٹا کر رکھ دیا۔

حضورؐ کے ارشاد کا دوسرا حصہ یہ ہے کہ کوئی کام غلاموں کے سر پر ایسا نہ ڈالو جو ان کو دبا لے یعنی ان کو بھاری کام پر نہیں لگانا چاہئے۔ اور اگر یہ ناگزیر ہو تو پھر ایسے کام میں ان کی مدد کرو اور ان کا ہاتھ بٹاؤ۔ یہی اسلام کی تعلیم ہے۔ اس میں بھی مختلف تاویلیں کی گئی ہیں جن کی ضرورت نہیں' یہ الفاظ کسی شرح کے محتاج نہیں ہیں۔

حضورؐ نے ابوذرؓ کو یہ جو فرمایا کہ تمہارے اندر جاہلیت کی بو ہے تو اس کا مفہوم یہ ہے کہ اسلام نے تم کو مہذب بنایا ہے لیکن تم میں ابھی تک جاہلیت کی لٹک چلی آرہی ہے۔ یہ کسی شخص کو اس کی غلط عادت پر متنبہ کرنے کا نہایت شائستہ طریقہ ہے۔ جیسے ہمارے ہاں بھی مثل مشہور ہے کہ آدمی بوڑھا ہو جاتا ہے لیکن اس کی یہ ہماقت/لٹک سی رہ جاتی ہے۔ مطلب یہ ہے کہ جاہلیت کے دور کے فقرے ابھی تمہاری زبان پر جاری ہیں' یہ باتیں ...ذر کے ہاتھ پچ کے بعد باقی نہیں رہنی چاہئیں۔

حضرت ابوذر غفاریؓ کو جو تنبیہہ ہوئی اس پر انہوں نے فوراً عمل کر لیا۔ وہ وہی کچھ کھا اپنے غلام کو کھلاتے اور پہناتے۔ یہ باتیں اسلامی اخلاق میں سے ہیں۔ آج اگر مارکس کے استدلال کریں کہ حضرت ابوذر غفاریؓ مساوات کے علمبردار تھے تو یہ حماقت کی بات ہے۔ وا... کی عام تعلیم یہی ہے اور ہر مسلمان کو یہی کرنا چاہئے۔ اگر کوئی شخص ایسا ہے جو ضرو... کرتا ہے تو سمجھئے کہ وہ آپ کا بھائی ہے اس لئے کہ وہ بھی اور آپ بھی آدم و حوا کی او...

...نے اور چاندی کے سوا جو
...جیسی دوسری چیزیں تو ان کے
...صنف کی چیزیں دو لی جائیں۔ مثلاً
...لے میں دو رطل پئیں۔ یہ امام مالک
...جائز ہے البتہ امام مالک وزن کی شرط جو

...ی بیعتہ
...نا کی ممانعت

...للہ علیہ وسلم نہی عن بیعتین فی بیعتہ

تدبر حدیث

امین احسن اصلاحی

کاروبار کی بعض ناجائز صورتیں

(مؤطا امام مالک کی کتاب البیوع کی روایات)

کے نعد **السلف وبیع العروض بعضها ببعض**

گلوچ کی اور پیشگی ادائیگی کے ساتھ سامان کی بیع

کے بارے میں **یحیی عن مالک انه بلغه ان رسول الله صلی الله علیه وسلم نهی عن بیع و سلف۔**

ہے۔ یہ من لوکسم مالکؒ سے روایت ہے کہ ان کو یہ بات پہنچی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسی بیع سے

اس کے ماتحت ہو لو سلف یعنی پیشگی ادائیگی ہو۔

ایسے کلام کی تکلیف دں کی تفصیل یوں کرتے ہیں کہ ایک آدمی دوسرے سے کہے کہ میں فلاں چیز لے لوں گا اس

وضاحت... مجھے اس قیمت پر دے دیں۔ اس صورت حال میں بیع اور سلف دونوں شامل ہو جاتے

"حلہ" عربی میں اس ہے کہ آپ نے معاملہ طے کر دیا کہ میں فلاں چیز لوں گا اس شرط پر کہ تم فلاں چیز

حضرت ابوذر غفاریؓ مساۃ ادا دی جائے تو بیع جائز ہو جائے گی۔ میرے نزدیک بیع میں کوئی شرط بیع کے منشا

معرور کو یہ بات کھلی کیونکہ اس زما زیر بحث معاملہ میں مذکورہ شرط کے باعث یہ بیع جائز بیع نہیں ہے۔ اس میں

حضرت ابوذر غفاریؓ نے بیان کیا کہ در اور کچھ غرر بھی ہے۔

پر اس کی ماں کے تعلق سے فقرہ چست کر

عار دلایا ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ تم میں ابھی **السلف فی العروض**

غلاموں کو اللہ تعالیٰ نے تمہارے ہاتھ میں دیا ہے سامان کے ضمن میں پیشگی

کھاتا یا پہنتا ہے۔ اس جملے میں زور اخواکم پر دیے **حدثنی یحیی عن مالک عن القاسم بن محمد انه قال سمعت عبدالله بن عباس**

مثالیں قرآن مجید میں بھی موجود ہیں اور حدیث میں **...راد بیعها قبل ان یقبضها فقال ابن عباس تلک الورق**

یہ واقعہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اگر آپ کو یہ

اعبداللہ بن عباس سے دوسرے شخص کے بارے میں فتویٰ

پوچھ رہا تھا کہ اس نے پیشگی رقم کچھ چادروں کی خریداری کے لئے دے دی پھر ان چادروں کو قبضہ میں لینے سے پہلے بیچنا چاہا۔ ابن عباس نے کہا یہ تو چاندی کے بدلے چاندی کا سا معاملہ ہے اور اس کو مکروہ گردانا۔

وضاحت۔ اس معاملہ میں ایک غلطی یہ تھی کہ قبضے سے پہلے فروخت جائز نہیں کیونکہ قبضے کے بغیر ملکیت تمام نہیں ہوتی۔ جن چیزوں کے بارے میں نزاع پیدا ہونے کا سوال نہیں ہوتا ان چیزوں کی بیع ہو جائے گی۔ احناف صرف غلے میں بیع سے پہلے قبضہ کی شرط مانتے ہیں۔ دوسری چیزوں کی بیع سے پہلے قبضہ ضروری نہیں سمجھتے کیونکہ ان کے نزدیک نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے طعام کے بارے میں پیشگی قبضہ کا حکم دیا ہے۔

امام مالک کا فتویٰ یہ ہے کہ کسی نے غلام یا جانور یا سامان کی خرید کے لئے اگر پیشگی رقم دے دی جب کہ خریدی جانے والی چیز کے اوصاف معین اور مدت مقرر کر دی گئی ہو تو اس مدت کے پورا ہونے پر اگر مشتری اس چیز کو اسی شخص کے پاس جس سے اس نے اس کو خریدا تھا اس قیمت سے زیادہ پر فروخت کر دے جو اس نے پیشگی ادا کی ہے تو اس میں ربا کا شائبہ ہو جاتا ہے کیونکہ یہ رقم بائع کے پاس کچھ عرصہ رہی ہے اور اس نے اس رقم سے فائدہ اٹھایا ہے۔ لیکن اگر کسی دوسرے کے پاس بیچے تو کچھ حرج نہیں۔ میرے نزدیک امام مالک کی یہ بات ٹھیک ہے۔ آدمی کو چاہئے کہ سامان اس شخص کے ہاتھ نہ بیچے جس سے خریدا ہے بلکہ کسی اور کے ہاتھ بیچ دے تاکہ ربا کا شائبہ نہ رہے۔

بیع النحاس والحدید وما اشبهها مما یوزن

تانبے، لوہے اور ان جیسی دوسری چیزوں کی بیع جن کا وزن کیا جاتا ہے۔

اس باب میں امام مالکؒ فرماتے ہیں کہ ہمارے ہاں یہ بات متفق علیہ ہے کہ سونے اور چاندی کے سوا جو چیزیں وزن کی جاتی ہیں جیسے تانبا، شبہ، رانگ، سکہ، لوہا، سبزی، انجیر، روئی اور ان جیسی دوسری چیزیں تو ان کے بارے میں کچھ حرج نہیں کہ ایک صنف کی ایک چیز کے بدلے میں دوسری صنف کی چیزیں دو دی جائیں۔ مثلاً لوہے کے ایک رطل کے بدلے دو رطل لوہا اور پیتل کے ایک رطل کے بدلے میں دو رطل پیتل۔ یہ امام مالک کا فتویٰ ہے۔ یہ اس اصول پر مبنی ہے کہ اگر جنس مختلف ہو تو تفاضل جائز ہے البتہ امام مالک وزن کی شرط جو لگاتے ہیں اس کی علت میری سمجھ میں نہیں آئی۔

النهی عن بیعتین فی بیعة

ایک بیع کے اندر دو بیع کی ممانعت

١۔ حدثنی یحیی عن مالک انه بلغه ان رسول الله صلی الله علیه وسلم نهی عن بیعتین فی بیعة۔

ترجمہ ۔۔۔۔۔ امام مالک کو یہ بات پہنچی ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک بیع کے اندر دو بیع کرنے سے منع فرمایا ہے۔

ترمذی نے اس روایت کو وصل کیا ہے اور نسائی نے اسے ابو ہریرہؓ سے روایت کیا ہے۔ اس بیع کی تفسیر امام مالک نے آگے کی روایت میں کر دی ہے۔

۱۲ ۔ حدثنی عن مالک انہ بلغہ ان رجلا قال لرجل ابتع لی ہذا البعیر بنقد حتی ابتاعہ منک الی اجل فسال فالک عبداللہ بن عمر لکرھہ ونہی عنہ۔

ترجمہ ۔۔۔۔۔ امام مالک روایت کرتے ہیں کہ ان کو یہ بات پہنچی ہے کہ ایک آدمی نے دوسرے سے کہا یہ اونٹ آپ میرے لئے نقد خرید لو اور میں آپ سے ایک مدت کے بعد خرید لوں گا۔ عبداللہ بن عمرؓ سے پوچھا گیا تو انہوں نے اس سودے کو مکروہ جانا اور اس سے روکا۔

وضاحت ۔ اس روایت میں بیع کے مکروہ یا ناجائز ہونے کی علت میری سمجھ میں نہیں آئی۔ اس میں اصل مشتری تو وہ ہے جو نقد خرید رہا ہے۔ اس کے سودے میں ناجائز ہونے کی کوئی علت نہیں۔ رہ گیا دوسرا آدمی جو بعد میں خریدے گا تو وہ اس وقت بیع نہیں کر رہا بلکہ صرف بیع کا وعدہ کر رہا ہے۔ اس وعدہ کے ناجائز ہونے کی علت مجھ پر واضح نہیں۔

۱۳ ۔ حدثنی مالک انہ بلغہ ان القاسم بن محمد سال عن رجل اشتری سلعتہ بعشرۃ دنانیر نقدا" او بخمستہ عشر دینارا" الی اجل لکرہ فالک ونہی عنہ۔

ترجمہ ۔۔۔۔۔ امام مالکؒ کہتے ہیں کہ ان کو یہ بات پہنچی ہے کہ قاسم بن محمد سے اس شخص کے بارے میں پوچھا گیا جس نے ایک چیز بیک وقت دس دینار نقد یا پندرہ دینار ادھار پر خریدی تو انہوں نے اس کو ناجائز جانا اور اس سے منع کیا۔

یہ تو ظاہر ہے کہ ناجائز ہے اور ایک ہی بیع میں دو بیعیں ہیں۔ اس میں ادھار کی صورت میں پانچ دینار کی زیادتی اصل میں دس دینار پر ربا کی ایک شکل ہے۔ اسی علت کی وجہ سے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسی بیع سے منع فرمایا ہے۔

بیع الغرر

دھوکے بازی کی بیع

۱۴ ۔ حدثنی یحی عن مالک عن ابی حازم بن دینار عن سعید بن المسیب ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نہی عن بیع الغرر

ترجمہ ... سعید بن مسیب سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دھوکے بازی کی بیع سے منع فرمایا۔

وضاحت ... اسلام میں بیع کا یہ مسلم اصول ہے کہ اس میں کسی ایک فریق کو بھی دھوکا نہیں ہونا چاہئے۔ جس بیع میں ایک فریق کو نقصان یا اس سے دھوکہ ہو رہا ہو تو وہ بیع حرام ہے۔ بیع غرر کی تعریف امام مالک نے یہ کی ہے کہ وہ بیع جس کا ظاہر مشتری کو دھوکہ دینے والا اور اس کا باطن مجہول ہو۔ مشتری دھوکہ تو کھا جائے لیکن وہ اتنا پر پیچ ہو کہ اس کا پتہ نہ پا سکے۔ اس کی مثال انہوں نے یہ دی ہے کہ ایک آدمی کا اونٹ گم ہو گیا اور اس کی قیمت پچاس دینار ہے۔ تلاش کرنے والا یہ کہے کہ یہ لو بیس دینار۔ اگر مل گیا تو اسی قیمت پر اونٹ میرا ہو گا۔ اب اگر وہ پا جائے تو بائع کے تیس دینار گئے اور اگر نہ ملا تو خریدنے والے کے بیس دینار گئے۔ اس میں حرمت کا اصل پہلو یہ ہے کہ یہ شرط باطل ہے کیونکہ اس میں ایک نہ ایک فریق کو ضرر اور غرر لازمی ہے۔ فرض کریں اونٹ مل بھی جاتا ہے تو نہ معلوم کس حالت میں ملتا ہے۔ زخمی ہو چکا ہے یا بیمار ہے۔ آوارہ پھرنے کے دوران اس کو کسی قسم کا بھی ضرر پہنچ سکتا ہے۔ اگر ملتا ہی نہیں تب خریدنے والے کو نقصان لازم ہے۔ پس وہ تمام شکلیں جن میں ایک فریق کے لئے کسی قسم کا خطرہ ہو ناجائز ہیں۔ یہی حال جوئے اور ریس وغیرہ کا ہے۔ جیتنے والے گھوڑے کا مالک سب رقم سمیٹ لیتا ہے اور باقی سب لٹ جاتے ہیں۔ اسی سبب سے جوئے اور ریس کو حرام ٹھہرایا گیا ہے۔

بیع غرر کی دوسری مثال امام مالک نے یہ بیان کی ہے کہ جو بچہ ابھی مادہ کے پیٹ میں ہے اس کی بیع بھی غرر کی ایک قسم ہے۔ معلوم نہیں نر پیدا ہوتا ہے یا مادہ' سالم پیدا ہوتا ہے یا ناقص۔ کچھ روز زندہ رہتا بھی ہے یا نہیں۔ غرض کچھ بھی متعین طور پر نہیں کہا جا سکتا۔ میرے نزدیک ایسی صورت میں علی الوصف اگر معاملہ کیا جائے تو درست ہو سکتا ہے۔ سب کچھ تحریر کر لیا جائے کہ اگر مذکورہ صفات کے مطابق بچہ پیدا ہو تو ٹھیک ورنہ بیع فسخ کر دی جائے یعنی مشتری کو خیار کا حق رہے گا۔ یہ بات امام مالک کے بیع علی الوصف کے اصول کے مطابق ہے۔

الملامستہ و المنابذہ

"ملامستہ" کے معنی ہاتھ لگانے اور منابذہ کے معنی پھینک دینے کے ہیں۔ یہ ناجائز بیع کی قسمیں ہیں۔ ملامسہ بیع میں جس چیز پر آپ ہاتھ رکھ دیں گے وہ ثمن بن جائے گی اور جس چیز کا مطالبہ کریں گے وہ مبیع بن جائے گی۔ منابذہ میں ایک شخص دوسرے کی طرف کپڑا پھینک دیتا ہے اور دوسرا شخص اس کی طرف کوئی چیز تو وہ بھی ثمن اور مبیع بن جاتی ہیں۔ یہ جوئے کی ایک شکل ہے' اس لئے ناجائز ہے۔

۱۵ ۔ حدثنا یحی عن مالک عن محمد بن یحی بن حبان و عن ابی الزناد عن الاعرج عن ابی ہریرہ ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نہی عن الملامستہ و

المنابذہ۔

ترجمہ... ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ملامسۃ اور منابذہ سے منع فرمایا۔

وضاحت... امام مالکؒ نے اس کی وضاحت یوں کی ہے کہ ملامسہ یہ ہے کہ ایک آدمی کپڑے کو ہاتھ لگائے۔ اس کو کھولے نہیں یعنی اس کی حقیقت معلوم کئے بغیر اس کو خریدے یا رات کو خریدے جب کہ اس کو معلوم نہ ہو کہ اس میں کیا ہے۔

منابذہ یہ ہے کہ آدمی اپنی چیز دوسرے شخص کے آگے پھینک دے اور دوسرا اپنی چیز اس کے بدلے میں پھینکے اور دونوں کو دوسرے کی چیز کی اصلیت یا اس کی قیمت کا کچھ اندازہ نہ ہو۔

یہ دونوں صورتیں صریح جوا ہیں۔ اس لئے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے منع فرمایا ہے۔ اس زمانے میں سودے کی ایک اور صورت بھی تھی کہ فہرست کے مطابق مال کی بیع ہوتی۔ مال کو کھول کر نہیں دیکھا جاتا تھا۔ بس پیٹیوں میں مال بند ہوتا اور پیٹیاں گن کر پوری کرلی جاتیں۔ امام مالک کے نزدیک یہ منابذہ میں نہیں آتی۔ آج کل تجارت کا انداز یہی ہے۔ اس میں اگر خریدار کو خیار حاصل ہو کہ اگر مال فہرست کے مطابق نہ پائے تو بیع کو رد کردے تو پھر اس سودے میں کچھ حرج نہیں اور یہ صورت ملامسہ یا منابذہ کے حکم میں نہیں آتی۔

بیع المرابحۃ

یہ باب منافع پر بیچنے کے بارے میں ہے۔ اس میں کوئی حدیث یا صحابہ کا اثر نہیں صرف امام مالکؒ کا فتویٰ ہے۔

امام مالکؒ کہتے ہیں کہ ہمارے ہاں یہ بات متفق علیہ ہے کہ اگر کسی شخص نے ایک شہر میں کپڑا خریدا پھر وہ اس کو لے کر دوسرے شہر میں آیا اور وہ کپڑا نفع پر بیچتا ہے تو وہ اس کی قیمت میں دلالوں کی اجرت، کپڑا تہ کرنے اور لادنے کا خرچہ اور ٹھہرنے کی جگہ کا کرایہ وغیرہ شمار نہیں کرسکتا۔ صرف باربرداری کا خرچہ شامل کرسکتا ہے۔

میرے خیال میں یہ فتویٰ اس زمانے میں نہیں چل سکتا۔ ہر چیز کا خرچہ جو اس سے متعلق ہو گا وہ شمار کرنا پڑے گا۔ آج کل ٹیلی فون کا خرچہ، دفتر کے اخراجات اور ہوٹل کا کرایہ وغیرہ سب خرچ شامل کرنے کے بعد منافع کا تعین ہو سکے گا۔ میری رائے میں اس زمانے میں تجارت کے جو اصول ہیں اور جن پر معاملات قائم ہیں وہ بالکل فطری ہیں۔

البیع علی البرنامج

فہرست کے مطابق بیع

اس باب میں بھی کوئی حدیث یا اثر نہیں۔ صرف امام مالکؒ کا فتویٰ ہے۔ آج کل بین الاقوامی تجارت اسی طریقہ پر ہو رہی ہے۔ ایجنٹوں کے ذریعے سے مال آتا ہے اور بغیر دیکھے دکھائے صرف اعتماد پر فروخت ہوتا

ہے۔ یہ بیع علی الوصف کے زمرے میں آتی ہے۔

امام مالکؒ کہتے ہیں کہ ایک شخص دوسرے شخص سے یہ کہتا ہے کہ وہ کپڑا جو آپ نے فلاں شخص سے خریدا ہے مجھے اس کے متعلق معلوم ہے۔ اگر میں تمہارے حصہ میں اتنا نفع دے دوں تو کیا تم مجھے شریک بنالو گے۔ اگر وہ مان جائے تو یہ شخص بھی اس کا شریک بن جائے گا۔ اگر بعد میں وہ دیکھے کہ مال تو فہرست کے مطابق نہیں یا گراں ہے تو امام مالکؒ کے نزدیک وہ اس کو لازمی لینا ہو گا اور اس کو خیار نہیں رہے گا کیونکہ اس نے معلومات ہوتے ہوئے سودا کیا تھا۔

بیع الخیار

(بیع جس میں مال واپس کرنے کا اختیار ہو)

۱۶ - **حدثنی یحی عن مالک عن نافع عن عبداللہ بن عمران رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال المتبا یعان کل واحد منھما بالخیار علی صاحبہ ما لم یتفرقا الابیع الخیار**

ترجمہ... عبداللہ بن عمرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ خرید و فروخت کا معاملہ کرنے والے اپنی خرید و فروخت کے بارے میں اس وقت تک اختیار رکھتے ہیں جب تک وہ الگ نہیں ہوتے۔

مگر بیع خیار کا معاملہ اس سے الگ ہے۔

وضاحت... بیع کا عام اور معروف طریقہ یہ ہے کہ آپ دکان پر گئے، کوئی شے خریدی، پیسے دیئے اور چلے گئے۔ بائع سے الگ ہونے سے پہلے آپ چیز کی دیکھ بھال اور مول بھاؤ کرلیتے ہیں اور آپ کو حق حاصل ہوتا ہے کہ وہ شے خریدیں یا نہ خریدیں۔

بیع خیار میں مشتری خیار کی شرط لگا دیتا ہے تو اس کی پابندی ضروری ہوتی ہے۔ بعض چیزیں ایسی ہوتی ہیں جن کے متعلق فوری فیصلہ ممکن نہیں ہوتا۔ مثلاً ایک آدمی بکری خریدتا ہے۔ وہ بائع سے کہتا ہے کہ دیکھوں گا کہ کتنا دودھ دیتی ہے۔ اس وقت فوری فیصلہ اس کے لئے ممکن نہیں ہوتا۔ اسی طرح ایک آدمی ایک گھوڑا خریدتا ہے، اسے دیکھنا ہے کہ وہ اڑیل ہے یا شائستہ ہے۔ علی ہذا القیاس ریڈیو اور ٹی وی کا معاملہ بھی ایسا ہے کہ مشتری کہہ سکتا ہے کہ چند دن اس کی کارکردگی دیکھ کر فیصلہ کروں گا تو ایسی چیزوں کی بیع کا معاملہ الگ ہے۔ اس میں یہ سوال بھی پیدا ہوتا ہے کہ کتنے دن کا خیار ہو گا۔ یہ عرصہ غیر متعین نہیں ہو سکتا۔ احناف اور شوافع کے نزدیک تین دن تک فیصلہ ہو جانا چاہئے۔ مالکیہ کہتے ہیں کہ اس کی کوئی حد معروف مقرر نہیں۔ احناف اور شوافع جو تین دن کی قید لگاتے ہیں تو یہ مدت بہت سی چیزوں کے لئے کافی ہے لیکن سب چیزوں کے لئے کافی نہیں۔ مثلاً آپ نے مکان لینا ہے اور اس کے پڑوس اور اس کے ماحول کو معلوم کرنا ہے تو اس کے لئے تین دن کی مدت قرین انصاف نہیں معلوم ہوتی۔ دوسری طرف مالکیہ کا مسلک بھی درست نہیں معلوم ہوتا۔ خیار کی مدت کو

غیر معین عرصہ کے لئے معلق نہیں رکھا جا سکتا۔ میرے نزدیک چیزوں کے لحاظ سے خیار کی اتنی مدت متعین ہو سکتی جس پر بائع اور مشتری دونوں رضامند ہو جائیں۔

اس زمانہ میں باہر کے ملکوں سے جو بیع ہوتی ہے وہ سب بیع سلم ہوتی ہے۔ اس میں رقم دے دی جاتی ہے اور برنامج (فہرست) کے مطابق مال لیا جاتا ہے۔ ساتھ ہی خیار ہوتا ہے کہ اگر مال معینہ اوصاف کے مطابق نہ ہو تو آپ بیع فسخ کر سکتے ہیں۔ میرے نزدیک بیع کے اس طریقہ میں کوئی خرابی نہیں۔

بعض ممالک میں خیار کا ایک شریفانہ طریقہ بھی ہے کہ آپ چیز لے جائیں اور اسے استعمال کریں۔ استعمال کے بعد اگر دیکھیں کہ ناقص ہے یا آپ کو پسند نہیں تو واپس کر دیں۔ بائع بڑی شرافت سے واپس لے لیتا ہے۔ اس بیع میں نہ مالم یتفرقا کی بحث ہے نہ خیار کی مدت کی۔ کاروبار کی ترقی کے لئے یہ حربہ اختیار کیا جاتا ہے۔

١٧ - حدثنی مالک انہ بلغہ ان عبداللہ بن مسعود کان یحدث ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال ایما بیعین تبایعا فالقول ما قال البائع او یترادان

ترجمہ ... عبداللہ بن مسعود حدیث بیان کرتے تھے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ دو فریق جب کوئی معاملہ کر چکیں اور پھر کوئی اختلاف ہو تو اس وقت بائع کا قول معتبر ہوگا یا پھر بیع منسوخ کر دی جائے گی۔

وضاحت ... یہ روایت بہت مبہم ہے۔ اس میں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ بیع ہو چکنے کے بعد اختلاف کی صورت میں خالی بائع کا قول کیوں معتبر ہوگا' مشتری کا موقف بھی تو درست ہو سکتا ہے۔ آگے امام مالک نے اپنا ایک فتویٰ نقل کیا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ بھی اس روایت کے مضمون سے مطمئن نہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ اگر بیع کے بعد بائع اور مشتری میں جھگڑا پیدا ہو جائے تو بائع سے کہا جائے گا کہ وہ قسم کھائے یا مشتری کی بات مان لے۔ اگر وہ قسم کھا جائے تو مشتری سے کہا جائے گا کہ وہ یا تو بائع کا قول تسلیم کر لے یا اپنے قول پر قسم کھائے۔ اس طرح امام صاحب بائع اور مشتری دونوں کو موقع دیتے ہیں۔ احناف اس بارے میں یہ کہتے ہیں کہ اگر مال تلف ہو گیا ہو تب صرف مشتری کے قول کا لحاظ ہوگا۔

ماجاء فی الربا فی الدین

قرضے میں ربا کے بارے میں

١٨ - حدثنی یحیی عن مالک عن ابی الزناد عن بسر بن سعید عن عبید ابی صالح مولی السفاح انہ قال بعت بزالی من اہل دار نخلة الی اجل' ثم اردت الخروج الی الکوفة فعرضوا علی ان اضع عنہم بعض الثمن و ینقدونی فسالت عن ذالک زید بن ثابت

فقال - لا امرک ان تاکل ھذا ولا توکلہ۔

ترجمہ ... سفاح کے آزاد کردہ غلام عبید ابی صالح بیان کرتے ہیں کہ میں نے دار نخلہ والوں کے پاس ادھار پر کپڑے بیچے۔ پھر میرا ارادہ ہوا کہ کوفہ چلا جاؤں تو ان لوگوں نے یہ پیشکش کی کہ میں قیمت کم کر دوں اور نقد وصول کر لوں۔ میں نے زید بن ثابتؓ سے پوچھا تو انہوں نے فرمایا کہ میں نہ تو تمہیں اس کے کھانے کی اجازت دیتا ہوں نہ کھلانے کی۔

١٩ - وحدثنی مالک عن عثمان بن حفص بن خلدة عن ابن شہاب عن سالم بن عبداللہ عن عبداللہ بن عمر انہ سئل عن الرجل یکون لہ الدین علی الرجل الی اجل' فیضع عنہ صاحب الحق ویعجلہ الآخر فکرہ ذالک عبداللہ بن عمر و نہی عنہ۔

ترجمہ ... سالم بن عبداللہ روایت کرتے ہیں کہ عبداللہ بن عمرؓ سے پوچھا گیا کہ ایک آدمی کا دوسرے پر ایک مدت مقررہ تک کے لئے قرض ہے۔ رقم میں حق والا کچھ کمی کر دیتا ہے اور دوسرا مدت سے پہلے واپس کر دیتا ہے تو حضرت عبداللہ بن عمر نے اس کو مکروہ جانا اور اس سے منع فرمایا۔

وضاحت ... یہ دونوں روایتیں ضع و تعجل کے اصول سے متعلق ہیں جس کا مطلب یہ ہوتا تھا کہ قرض کی فوراً ادائیگی کے بدلے قرض کی رقم میں کمی کر دی جائے۔ یہ اصول جاہلیت میں عام تھا۔ قرض کی مدت جب ختم ہو جاتی تو قرض خواہ کہتا کہ ادا کرو گے یا سود دو گے۔ اگر وہ رقم دے دیتا تو فبہا ورنہ وہ قرض کی رقم میں اضافہ کر دیتا اور مدت بڑھا دیتا۔ قریش تاجر قوم تھی۔ یہ لوگ یہودی مہاجنوں سے بڑی بڑی رقمیں سود پر ادھار لیتے تھے۔ جب مدت پوری ہو جاتی تو یہود کہتے کہ ادا کرو ورنہ رقم اور مدت میں اضافہ کر دیا جائے گا۔ اس زمانہ کے لوگ یہ کہتے ہیں کہ یہ بھونڈی شکل جاہلیت کے زمانے میں تھی اب بالکل بدل گئی ہے اور اس کے حق میں بڑی دلپذیر تقریر کرتے ہیں۔ لیکن جب تجزیہ کیا جائے تو کوئی خاص فرق نہیں ہوتا۔ صرف شکل ذرا بدلی ہوئی ہوتی ہے۔

کلیہ یہ ہے کہ تاجر اور سود خور کے منافع میں اصولی فرق ہے۔ تاجر جو منافع لیتا ہے اس کے لئے اس کا سرمایہ بازی کھیلتا ہے' بازار کے اتار چڑھاؤ کا مقابلہ کرتا ہے' معاشرے کی خدمت کرتا ہے' تب جا کر منافع حاصل کرتا ہے۔ بخلاف اس کے سود خور کا سرمایہ ایک ایسا سانڈ ہے جو دوسرے کی چراگاہ میں چر کر موٹا ہوتا ہے اور خطرہ مول نہیں لینا چاہتا۔ "ضع و تعجل" کا اصول اسلام کے تحت نہیں آتا۔ اس لئے زید بن ثابتؓ اور عبداللہ بن عمرؓ دونوں نے اس کو مکروہ جانا۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے جب بنی نضیر کو جلاوطن کیا تو انہوں نے کہا کہ ہمارے قرضے لوگوں کے ذمے ہیں اور ان کی مدت ابھی پوری نہیں ہوئی۔ تو آپؐ نے فرمایا "ضع و تعجل" مطلب یہ کہ رقم کم کرو اور فوراً وصول کر لو۔ اس واقعہ کی روشنی میں سوال پیدا ہوتا ہے کہ آنحضرتؐ کے لئے اس طرح کرنا جائز تھا تو اب یہ

بقیہ برصفحہ ۵

ذکر و فکر

ابوسفیان اصلاحی

امام فراہیؒ سیمینار

علامہ حمید الدین فراہیؒ (۱۹۳۰-۱۸۶۳) علم و تحقیق کی دنیا میں ترجمان القرآن کی حیثیت سے اچھی طرح جانے جارہے ہیں۔ علامہ نے اپنی عمر کا بیشتر حصہ قرآن کریم کے تفکر و تدبر میں صرف کردیا۔ آپ تمام اسلامی علوم و فنون کو قرآن مجید کی روشنی میں مدون کرنے کے خواستگار تھے۔ یہی وجہ ہے کہ اپنے خاکہ کے مطابق بیشتر اسلامی موضوعات پر قرآن کریم کو سامنے رکھتے ہوئے اظہار خیال کیا۔ آپ نے قرآن کو تمام علوم و فنون کا سرچشمہ قرار دیا۔ قرآنیات سے متعلق آپ کی بہت سی کتابیں شائع ہو کر علمی دنیا میں داد و تحسین حاصل کرچکی ہیں۔ آپ کی مطبوعہ و غیر مطبوعہ تصنیفات تقریباً ستر کی تعداد میں ہیں۔ اب تک ۳۵ کتابیں زیور طباعت سے آراستہ ہوچکی ہیں۔

علامہ حمید الدین فراہی ۱۸ نومبر ۱۸۶۳ء کو یوپی کے ضلع اعظم گڑھ کے ایک مردم خیز گاؤں پھریہاں میں پیدا ہوئے۔ ان کے ماموں زاد بھائی علامہ شبلی نعمانی نے ایک استاد کی حیثیت سے ان کی شخصیت کی تعمیر و ترقی میں ایک نمایاں رول ادا کیا۔ علامہ شبلی کے استاد ممتاز عالم دین مولانا فاروق چریاکوٹی کی عالمانہ صحبتیں بھی مولانا فراہی کو نصیب ہوئیں۔ مولانا عبدالحی فرنگی محلی کی صحبت میں رہ کر بالخصوص ان سے فقہ اسلامی کے سلسلہ میں استفادہ کیا۔ عربی ادب میں مہارت تامہ حاصل کرنے کے لئے لاہور میں جاکر مولانا فیض الحسن سہارنپوری کے سامنے زانوئے تلمذ تہ کیا۔ ۱۸۸۳ء میں اس تعلیمی مرحلہ سے فراغت پانے کے بعد علوم جدیدہ کی طرف متوجہ ہوئے چنانچہ کرنل گنج اسکول الہ آباد سے پہلے مڈل اور پھر انٹرنس پاس کیا۔ اس میدان میں اور آگے بڑھنے کے لئے ۱۸۹۱ء میں علی گڑھ کا رخ کیا اور ایم اے او کالج میں داخلہ لے کر انگریزی زبان اور دیگر عصری علوم کی تحصیل کی۔ کالج اسٹاف میں پروفیسر آرنلڈ سے فلسفہ جدیدہ میں استفادہ کیا۔ ۱۸۹۵ء میں بی اے کا کورس مکمل کیا۔ علی گڑھ کے علمی ماحول نے انہیں علم و تحقیق کا رسیا بنادیا اور یہیں سے ان کی علمی کاوشیں منظر عام پر آنا

شروع ہو گئیں۔ تعلیم کے بعد عملی زندگی کا آغاز ہوا۔ مدرسۃ الاسلام کراچی میں ۱۸۹۷ء سے ۱۹۰۳ء تک عربی استاد کی حیثیت سے کام کیا اور ساتھ ہی علم و تحقیق کا مشغلہ بھی جاری رہا اور ان کی کچھ تصانیف وہیں تکمیل کے مرحلہ کو پہنچیں۔ ۱۹۰۷ء میں وہ پھر علی گڑھ میں اسسٹنٹ پروفیسر کی حیثیت سے آگئے اور اسی دوران آپ نے پروفیسر ہارویز سے عبرانی زبان سیکھی۔ مولانا کا یہ دوسرا قیام علی گڑھ میں ۱۹۰۸ تک رہا۔ اس کے بعد ۱۹۰۸ء سے ۱۹۱۴ء تک میور کالج الہ آباد میں عربی پروفیسر کی حیثیت سے کام کیا۔ ۱۹۱۴ سے ۱۹۱۹ تک دارالعلوم حیدر آباد میں پرنسپل کے عہدہ پر خدمت انجام دی۔ ۱۹۱۹ء میں وہاں سے سبکدوش ہو کر اعظم گڑھ آگئے اور عمر کا بقیہ حصہ ہندوستان کی مشہور اسلامی درسگاہ مدرسۃ الاصلاح سرائے میر کو ایک مثالی ادارہ اور قرآن کا مرکز بنانے میں صرف کردیا تاکہ وہاں کے اساتذہ و طلبہ میں قرآن فہمی کا سچا ذوق و شوق پیدا ہو۔ چنانچہ مولانا اپنے مقصد میں کامیاب رہے۔ ان کے تلامذہ میں دو نام خصوصی اہمیت کے حامل ہیں۔ ایک مولانا اختر احسن اصلاحی مرحوم اور دوسرے مولانا امین احسن اصلاحی جنہیں علمی دنیا بخوبی جانتی ہے۔ مولانا امین احسن مدظلہ اس وقت فکر فراہی کے سب سے بڑے ترجمان ہیں۔ آپ نے نہ صرف یہ کہ مولانا فراہی کی بہت سی کتابوں کا ترجمہ کیا بلکہ افکار فراہی کی روشنی میں "تدبر قرآن" کے نام سے ایک تفسیر بھی مکمل کردی ہے جو اردو تفاسیر میں اپنی مختلف خصوصیات کی وجہ سے امتیازی حیثیت کی حامل ہے۔ ۱۹۳۰ء میں مولانا فراہی جیسا یگانہ روزگار ترجمان القرآن اپنے معبود حقیقی سے جاملا۔

فکر فراہی کے حاملین ایک مدت سے مولانا فراہی کے افکار پر ایک سیمینار کے انعقاد کے سلسلے میں غور کر رہے تھے۔ اللہ کا ہزار شکر ہے کہ بڑی کوششوں کے بعد ۸، ۹، ۱۰ اکتوبر ۱۹۹۱ء کو یہ سیمینار مدرسۃ الاصلاح سرائے میر اعظم گڑھ میں منعقد ہوا اور نہایت کامیابی سے پایہ تکمیل کو پہنچا۔ اس سیمینار کے موقع پر مدرسہ کے اساتذہ و طلبہ نے غیر معمولی خدمات انجام دیں۔ سیمینار کی کامیابی کا سہرا انھیں کے سر جاتا ہے۔ ادارہ علوم القرآن علی گڑھ نے بھی اس میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا۔ یہ سیمینار انجمن طلبہ قدیم مدرسۃ الاصلاح کی جانب سے کرایا گیا تھا۔ اس موقع پر مدرسہ بقعہ نور بنا ہوا تھا لیکن ہر موقع پر مولانا امین احسن اصلاحی کی کمی کا شدت سے احساس کیا گیا۔

سیمینار کا افتتاح مولانا ابوالحسن ندوی نے کیا۔ صدارتی تقریر مولانا نجم الدین اصلاحی نے کی اور خطبہ استقبالیہ جناب ڈاکٹر اشتیاق احمد ظلی نے پیش کیا جس میں مولانا فراہی کے افکار پر بڑے واضح انداز میں روشنی ڈالی گئی تھی۔ خطبہ استقبالیہ زبان و بیان کے لحاظ سے اپنی مثال آپ تھا۔ پیش کرنے کا انداز بہت پیارا تھا۔ سیمینار کے کل سات سیشن ہوئے اور تمام اجلاسوں کی نظامت کے فرائض بڑی خوش اسلوبی کے ساتھ ڈاکٹر اشتیاق احمد ظلی صاحب نے انجام دیئے۔ پہلے سیشن میں ڈاکٹر ظفر الاسلام صاحب نے مولانا فراہی کا ایک

نہایت جامع اور تاریخی لحاظ سے مستند سوانحی خاکہ پیش کیا۔ اب تک کے مولانا فراہی کے آئے ہوئے تمام سوانحی خاکوں میں یہ خاکہ تحلیل و تجزیہ اور تحقیق کے لحاظ سے اولیت کا حامل ہے۔

اس سیمینار میں ہندوپاک کے چوٹی کے علماء و محققین تشریف لائے۔ مولانا فراہی کے مختلف فکری پہلوؤں پر مقالات پیش کئے گئے۔ یہ مقالات جہاں خالص علمی و تحقیقی تھے وہیں ان مقالات پر جو مباحثے و مذاکرے ہوئے وہ اس سے بھی کہیں زیادہ قیمتی تھے۔ ان بحثوں سے بہت سی مفید باتیں مولانا فراہی کے بارے میں معلوم ہوئیں۔ مولانا فراہی کے مسلک حدیث سے متعلق پورا ایک سیشن رہا جس میں چھ مقالے مولانا کے نظریہ حدیث پر پیش کئے گئے۔ یہ نشست بڑی معرکہ آرا رہی۔ اس میں مولانا سلطان احمد اصلاحی صاحب اور مولانا امانت اللہ صاحب کا مقالہ پسند کیا گیا۔ اس سیشن کی صدارتی تقریر میں مولانا انفر عمری صاحب نے تمام مقالات پر بڑا عالمانہ تبصرہ کیا۔ مولانا انفر صاحب حدیث پر گہری نظر رکھتے ہیں۔ آپ نے بھی مولانا کے اصول تفسیر پر مقالہ پیش کیا تھا۔ بقیہ مقالات میں پروفیسر محمد ارشد ندوی کا مقالہ بھی منفرد اہمیت کا حامل تھا۔ آپ نے جمہرۃ البلاغہ پر مقالہ پیش کیا تھا' آپ نے دوسرے اہل بلاغت کے خیالات سے مولانا فراہی کا موازنہ کیا۔ سیمینار میں کل ٣٦ مقالات پڑھے گئے اور تقریباً ١٣ مقالات وقت کی قلت کے باعث پڑھے نہ جا سکے۔ درج ذیل حضرات نے نشستوں کی صدارت کی۔ مولانا نجم الدین اصلاحی صاحب' ڈاکٹر مسعود الرحمان ندوی صاحب' ڈاکٹر یٰسین مظہر صدیقی صاحب' پروفیسر محمد راشد ندوی صاحب' مولانا نظام الدین اصلاحی صاحب' مولانا ضیاء الدین اصلاحی صاحب اور مولانا جلال الدین انفر عمری صاحب

سیمینار میں پیش کردہ اور غیر پیش کردہ مقالات میں سے کچھ کو نکال کر تمام مقالات کتاب کی صورت میں بہت جلد منظر عام پر آجائیں گے۔ ان مقالات کی کتابت لکھنؤ میں ڈاکٹر عبید اللہ فراہی صاحب کی نگرانی میں شروع ہو چکی ہے۔ اس سیمینار کی سب سے بڑی خوبی یہ ہے کہ اس کی برکت سے مولانا فراہی کی کچھ کتابیں دوبارہ شائع ہو گئیں (١) تفسیر نظام القرآن (مولانا فراہی کے تفسیری اجزاء کا مجموعہ) (٢) قرآنی مقالات (مولانا فراہی اور ان کے تلامذہ کے مضامین) (٣) کتابیات فراہی (یہ کتابیات مولانا فراہی کی تصنیفات و تالیفات' مولانا فراہی سے متعلق تصنیفی و تالیفی سرمایہ (جس میں کتب' غیر مطبوعہ تحقیقی مقالات' مضامین' متفرق کلام شامل ہیں) مولانا فراہی کی مطبوعہ کتب پر تبصرے اور مولانا فراہی کے بارے میں متفرق معلومات کی حامل ہے) (٤) التکمیل فی اصول التاویل (٥) نظام القرآن۔

مقالات اصلاحی جلد اول

تالیف: مولانا امین احسن اصلاحی

ترتیب: خالد مسعود

صفحات: ٣٨٠

قیمت: ٧٦ روپے

شائع کردہ: فاران فاؤنڈیشن۔ ١٣٢ فیروز پور روڈ اچھرہ لاہور

یہ کتاب چار حصوں پر مشتمل ہے:

اولاً: اسوۂ حسنہ

ثانیاً: جماعت اسلامی سے علیحدگی کی بنیادیں

ثالثاً: معاشرہ کی اصلاح کا منہاج

رابعاً: مغربی تہذیب سے مرعوبیت کے اثرات

اس طرح یہ ایک جلد میں چار کتابوں کی حیثیت رکھتی ہے۔ چاروں حصص کے مذکورہ عنوانات سے یہ بات عیاں ہے کہ یہ کتاب مولانا امین احسن اصلاحی کے بعض متفرق مضامین کا مجموعہ ہے' اگرچہ ہر حصہ کتاب میں شامل مضامین میں معنوی ربط پایا جاتا ہے۔

پہلے حصے کے دو مقالات میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاقی کمالات' سیاسی تدبر و بصیرت کے مظاہرات اور ازدواجی زندگی کی خصوصیات کو نہایت جامع انداز میں پیش کیا گیا ہے۔ یوں آنحضرتؐ کی حیات طیبہ کے چند نہایت اہم پہلوؤں پر روشنی ڈالی گئی ہے' جس سے حضورؐ کی اخلاقی و سیاسی زندگی سے تزکیہ معاشرہ کے لئے رہنمائی حاصل ہوتی ہے۔

پہلے مقالے میں حضورؐ کی دین کے اصولوں کے ساتھ سو فیصد وابستگی اور کسی قسم کی مصالحت سے احتراز کی کیفیات بیان کی گئی ہیں۔ اسی اصول پرستی کا نتیجہ تھا کہ ایک قلیل عرصے میں عربوں کی ایسی قوم جو کسی مرکزی سیاسی ہیئت اجتماعیہ سے بالکل ناآشنا تھی فکری اور اجتماعی طور پر ایک ملت کی شکل اختیار کر گئی۔ اس ساری جدوجہد کے دوران آنحضرتؐ نے ان گنت صعوبتیں برداشت کیں' لیکن سیاست میں جو اخلاق ناشناس حرکات معمول کی حیثیت رکھتی ہیں ان میں سے ایک میں بھی آپؐ کی ذات کبھی ملوث نہیں ہوئی۔ شدید ترین حالات اور نامساعد حالات کے باوجود دیانت و امانت کے تمام مقتضیات کو ہمیشہ ملحوظ خاطر رکھا گیا۔ اس کا یہ نتیجہ برآمد ہوا کہ حضورؐ کے سایہ تربیت میں کثیر تعداد پر مشتمل صحابہ کی ایک ایسی جماعت تیار ہو گئی جو حضورؐ کے

اسوۂ حسنہ پر چلنا باعث سعادت سمجھتی تھی' اور آپؐ کے دنیا سے تشریف لے جانے کے بعد انہوں نے حضورؐ کے مسلک کی پیروی کرنے اور اسے وسعت دینے میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہیں کیا۔ مولانا نے یہ وضاحت بھی کی ہے کہ منصب رسالت ساری حیات انسانی کو محیط ہے اور سیاست اس کا ایک ادنیٰ شعبہ ہے۔ لہٰذا حضورؐ نے ہمہ جہتی اصلاح کا کام سرانجام دیا۔

دوسرے مقالے میں حضورؐ کی گھریلو زندگی کے بعض پہلوؤں پر روشنی ڈالی گئی ہے۔ اس میں یہ واضح کیا گیا ہے کہ آپؐ کی پبلک اور خانگی زندگی میں پوری یکسانی پائی جاتی تھی۔ اس کے علاوہ آنحضرتؐ نے گھر کے اندر بھی اسی طرح دین کو نافذ کیا جس طرح دوسرے لوگوں پر۔ آپؐ نے اپنی ازواج مطہراتؓ کی اس طرح تربیت کی کہ وہ بھی تبلیغ دین کے لئے مستعدی کا مظاہرہ کرتی تھیں۔

جس کسی کو اقتدار نصیب ہوتا ہے اس کا اپنا اور اس کے اہل خانہ کا معیار زندگی دیکھتے ہی دیکھتے عوامی خزانے کے بل پر آسمان سے باتیں کرنے لگتا ہے لیکن حضورؐ نے اپنے آپ کو اور اپنے اہل و عیال کو دنیوی لذتوں سے دور رکھا۔ مولانا نے حضورؐ کے معیار زندگی کی جو تصویر کشی کی ہے اس کو علامہ اقبالؒ نے یوں بیان کیا ہے۔

بوریا ممنون خواب راحتش
تخت کسریٰ زیر پائے امتش

اس مقالے میں یہ بھی وضاحت کی گئی ہے کہ حضورؐ کا گھریلو ماحول خوشی اور انبساط سے محروم نہ تھا۔ بلکہ آپؐ ازواج مطہراتؓ کی دلداری کرتے اور انہیں خوش و خرم رکھنے کی کوشش فرماتے۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے رسولؐ اور آپؐ کے اہل خانہ کے لئے دنیوی راحتوں کے ضمن میں جو خصوصی حدود مقرر کردی تھیں ان سے تجاوز کرنے کی آپؐ اجازت نہ دیتے تھے۔ اس سلسلے میں قرآنی آیات سے استشہاد کیا گیا ہے۔

اگرچہ اس حصہ کتاب کا عنوان تو اسوۂ حسنہ ہے لیکن اس میں ایک ایسا مقالہ بھی شامل ہے جو حضورؐ کی حیات طیبہ سے براہ راست متعلق نہ ہونے کے باوجود حضورؐ اور حضرت عمرؓ کی مربیانہ صلاحیت اور علم کی حوصلہ افزائی کے انداز کو اجاگر کرتا ہے اور جو کم سنی کے باوجود حضرت عبداللہ بن عباسؓ کی قرآن فہمی اور علمی پختگی سے متعلق ہے۔ حضورؐ کی وفات کے وقت ان کی عمر بارہ سال تھی' لیکن مردم شناسی کی صلاحیت کی وجہ سے حضورؐ نے ان کے لئے بارگاہ ایزدی میں علمی ترقی پانے کے لئے دعا فرمائی۔ حضرت عمرؓ نے ان کی جو حوصلہ افزائی کی اس کے سلسلے کے واقعات بھی بیان کئے گئے ہیں جن سے اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ اسلام کے قرن اول میں مسلمانوں کے اندر خوابیدہ جوہر علم و تحقیق کو کس طرح بیدار کیا جاتا تھا۔ یہی وجہ تھی کہ ایک دو نسل کے اندر ایک امی معاشرے میں آنحضرتؐ کی بے مثال صلاحیت کار کے صدقے میں علم و فضل سے آراستہ

ہزاروں افراد منصۂ شہود پر آئے اور گذشتہ تیرہ چودہ صدیوں میں عظیم علمی ہستیوں نے ان کے فکری کام سے استفادہ کیا۔

دوسرے حصہ کتاب میں' جو کتاب کے نصف سے زیادہ صفحات پر پھیلا ہوا ہے' مولانا کے آٹھ مقالات ہیں جن میں انہوں نے وہ حقائق اور اصولی اختلافات بیان کئے ہیں جن کی وجہ سے جماعت اسلامی ۱۹۵۷ء میں وسیع پیمانے پر اختلافات کی نذر ہو کر ایک بہت بڑے حادثے اور انتشار کا شکار ہو گئی۔ اس کے نتیجے میں مولانا اصلاحی اور مرکزی شوریٰ کے متعدد ارکان سمیت بہت سے ارکان جماعت اس سے الگ ہو گئے اور جماعت اعلان شدہ دعوت اسلامی کے کام سے دستبردار ہو کر معروف معنوں میں ایک سیاسی جماعت بن گئی۔ آج تک دعویٰ یہی ہے کہ وہ قیام نظام اسلامی کے لئے کوشاں ہے لیکن جیسا کہ اس حصہ کتاب میں مولانا اصلاحی کے مضامین سے اظہر من الشمس ہے ایسے دعاوی میں کوئی جان نہیں رہی۔

اس حصہ کتاب کا پہلا مقالہ اس خط پر مشتمل ہے جو مولانا امین احسن اصلاحی نے مولانا ابوالاعلیٰ مودودی امیر جماعت اسلامی کو اس موقع پر لکھا تھا جب موخرالذکر نے مرکزی مجلس شوریٰ کے فیصلے کے مطابق قائم شدہ ایک جائزہ کمیٹی کی رپورٹ کے نتیجے میں کمیٹی مذکور کے ارکان سے استعفے طلب کر لئے۔ ظاہر ہے کہ اس خط میں اس کمیٹی کی تشکیل کے پس منظر کے تذکرے کی کوئی ضرورت نہ تھی۔ اگرچہ یہ ایک طویل داستان ہے لیکن ہم اپنے براہ راست علم کی بنیاد پر اختصار کے ساتھ اس کمیٹی کے مقصد وجود اور اس کے پس منظر کی وضاحت کر دینا چاہتے ہیں تاکہ قارئین کتاب کو اس خط کے مندرجات اور بقیہ سات مقالات کی غایت کو سمجھنے میں کوئی الجھن پیش نہ آئے۔

متحدہ ہندوستان میں جماعت اسلامی کی تاسیس ۱۹۴۱ء میں اس مقصد کے اعلان کے ساتھ ہوئی کہ رضائے الٰہی کے حصول کو مدنظر رکھتے ہوئے یہ جماعت دین اسلام کی تعلیمات کی روشنی میں بنی نوع انسان کی تعمیر فکر و سیرت کے لئے جدوجہد کرے گی۔ اس کام کو اس لائحہ عمل کے مطابق سرانجام دیا جائے گا جس پر چل کر انبیائے کرام علیہم السلام نے اس کو انجام دیا۔ یہ قطعی نظریہ تھا کہ جس درجے میں یہ مقصد حاصل ہوگا اسی نسبت سے اس کے نتیجے میں نظام اسلامی کے قیام کے امکانات پیدا ہوں گے۔ اس نظریئے کے تحت جماعت نے اپنے آپ کو حصول پاکستان کی جدوجہد سے الگ رکھا۔ امیر جماعت نے جماعت کی تشکیل سے قبل اور اس کے بعد متعدد طول طویل تحریروں کے ذریعے یہ وضاحت کی کہ چونکہ مسلم لیگ کی قیادت نہ تو خود اسلام پر عمل پیرا ہے اور نہ مجوزہ پاکستان میں اسلام کو برپا کرنے کے لئے مردم شماری کے مسلمانوں میں دین کا شعور اور اس کے مطابق سیرت سازی کا کام کر رہی ہے لہٰذا ایسے مسلمانوں کے لئے الگ وطن قائم کرنے کی تحریک سے ہمارا کوئی واسطہ نہیں۔

ابتدائی چھ سالوں کے دوران جماعت اسی فکر کو پھیلاتی رہی لیکن ۱۹۴۷ء میں پاکستان کے وجود میں آنے کے فوراً بعد کسی نظریاتی تبدیلی کے اعلان کے بغیر مولانا مودودی نے اسی پاکستان کو درپیش مسائل میں دخل اندازی شروع کردی جس کے قیام سے وہ برسوں لاتعلقی کا اظہار کرتے رہے۔ ارکان جماعت کی سادہ لوحی' ان کے تعلیمی معیار کی سطح کی پستی اور ان کی مقلدانہ ذہنیت کا سہارا لے کر اور مرکزی شوریٰ کو نظرانداز کرکے امیر جماعت رسالہ "ترجمان القرآن" کے ذریعے اس نئے طریق کار کو بھی منطق کے زور سے اسلامی نظام کے قیام کی جدوجہد کا تسلسل ہی قرار دیتے اور عام ارکان کی آنکھوں میں دھول جھونکتے رہے۔

اس لائحہ عمل یا دوسرے لفظوں میں پاکستان کی سیاست میں عملاً" حصہ لینے کی ابتداء' اولاً" حکومت پاکستان کی کشمیر کے الحاق کے لئے جدوجہد کرنے کی پالیسی کو مولانا مودودی کی طرف سے خلاف اسلام قرار دینے سے ہوئی۔ ثانیاً" ان حکمرانوں ہی سے جنہوں نے تحریک پاکستان چلائی تھی یہ مطالبہ کیا جانے لگا کہ نظام اسلامی قائم کرنے کے لئے اسلامی دستور وضع کرو۔ اپنے اعلان کردہ اصولوں اور لائحہ عمل سے انحراف کی پالیسی کو بتدریج آگے بڑھاتے ہوئے ۱۹۵۰ء میں پنجاب کے اور اس کے بعد بہاولپور کے انتخابات میں شہادت حق کے نام پر حصہ لینے کا فیصلہ کیا گیا۔ جونہی جماعت انتخابات کے اکھاڑے میں کود گئی مولانا مودودی نے ایک طرف تو مرکزی شوریٰ سے مشورہ کئے بغیر اس دعوے کے علی الرغم کہ ہم انتخابات میں شہادت حق کے لئے حصہ لے رہے ہیں نہ کہ مجالس قانون ساز میں لازماً" نشستیں حاصل کرنے کے لئے' دوسری سیاسی شخصیتوں اور جماعتوں سے خفیہ سازباز شروع کردی اور دوسری طرف اپنے دوروں کے دوران جماعت کے ارکان اور ہمدردوں کے سامنے جو انتخابات میں سرگرم عمل تھے' یہ نظریہ پیش کردیا کہ چونکہ انتخابات کے قوانین و قواعد بنانے والی حکومت خود ان پر عمل پیرا نہیں لہٰذا ہم پر بھی ان کی پابندی کرنے کی ذمہ داری عائد نہیں ہوتی۔ پھر کیا تھا اپنی بساط بھر وہ سب حرکات کرنے کی کوشش کی گئی جو دوسری جماعتیں یا امیدوار کرتے تھے۔ اس ہماہمی میں جماعت کے اصل مقصد یعنی اسلامی فکر کی اشاعت اور اصلاح معاشرہ کے کام کا نظرانداز ہو جانا ایک قدرتی امر اور اس کے ساتھ ہی ارکان جماعت کے اخلاقی معیار میں مختلف قسم کی کمزوریوں کا ظہور ایک منطقی نتیجہ تھا۔ لیکن انتخابات کا نتیجہ صفر کے برابر نکلا۔

اس صورت حال کے پیدا ہونے سے جماعت کے ارکان کے ایک معتدبہ حصے میں عام طور پر اور مرکزی شوریٰ میں خاص طور پر اضطراب و پریشانی کے آثار رونما ہوئے۔ مرکزی شوریٰ میں اس کا بھرپور اظہار ہوتا رہا۔ لیکن مولانا مودودی ان مباحث کو عام ارکان جماعت تک پہنچنے کے راستے میں سب سے بڑی رکاوٹ تھے۔ ان کا خیال تھا کہ اس سے جماعت میں انتشار پیدا ہو گا۔ لیکن یہ ایک حقیقت ہے کہ ۱۹۵۰ء سے ۱۹۵۵ء تک اصل مقصد سے جماعت کے انحراف کا مسئلہ مرکزی شوریٰ کے ہر اجلاس میں زیر بحث آتا رہا۔ البتہ وہ

اجلاس اس سے مستثنیٰ ہیں جو مولانا مودودی اور بعض دوسرے ارکان شوریٰ کی اینٹی قادیانی تحریک کے سلسلے میں نظربندی کے دوران منعقد ہوئے۔

۱۹۵۵ء میں جماعت اسلامی کا اجتماع عام کراچی میں ہوا۔ ا ، ، ے کے دوران مرکزی شوریٰ کے اجلاس میں گرماگرم بحث کے بعد یہ فیصلہ ہوا کہ جماعت کے اندر جو کمزوریاں رونما ہو چکی ہیں اور موجودہ پالیسیوں سے جو عدم اطمینان پایا جاتا ہے اس کا تعین کرنے کے لئے ایک جائزہ کمیٹی مقرر کی جائے جو پاکستان کے اہم مقامات کا دورہ کرکے ارکان جماعت میں سے' جو اس سلسلے میں تحریری یا زبانی بیانات دینے چاہیں' ان کی جماعت کے حالات کے متعلق رائے دریافت کرے۔ چنانچہ غالباً پانچ یا سات ارکان پر مشتمل یہ کمیٹی بنادی گئی۔ لیکن مرکز جماعت نے ۱۹۵۶ء تک اس کے ارکان کو کام شروع کرنے کی سرکاری طور پر اطلاع نہیں دی۔ بالآخر امیر جماعت نے مجلس شوریٰ ہی کے ایک اجلاس پر اس خیال کا اظہار کیا کہ وہ کمیٹی مذکورہ کی تشکیل نو کرنا چاہتے ہیں۔ مرکزی شوریٰ نے ان کو یہ اختیار دے دیا۔ چنانچہ امیر جماعت نے بعض نام حذف کرکے اپنی مرضی کے چار ارکان اس کمیٹی کے لئے نامزد کردیئے۔

اس کمیٹی نے ہدایات کے مطابق اپنا کام کرکے جو رپورٹ دی وہ مولانا مودودی کی توقع اور مرضی کے خلاف تھی۔ ارکان کی بہت سی آراء کی خود امیر جماعت کے طرز عمل اور ان کے درجہ تقویٰ پر زد پڑتی تھی۔ چنانچہ امیر جماعت نے کمیٹی کے چاروں ارکان پر یہ الزام عائد کیا کہ انہوں نے یہ رپورٹ ایک سازش کے تحت مرتب کی ہے۔ اس رپورٹ کو عام ارکان جماعت اور پبلک سے صیغہ راز میں رکھنے کے علاوہ مودودی صاحب نے چاروں ارکان کمیٹی سے استعفے طلب کر لئے۔ مولانا اصلاحی نے امیر جماعت کے اس رویئے پر احتجاجاً" وہ خط لکھا جو اس حصہ کتاب میں سب سے پہلے مقالے کی حیثیت رکھتا ہے۔ انہوں نے اس میں امیر جماعت کے اس عمل کے معروف جماعتی قواعد کے خلاف ہونے کے سلسلے میں سیر حاصل بحث کی ہے اور ارکان کمیٹی پر لگائے گئے الزامات کا تجزیہ کرکے ان کا تاروپود بکھیر دیا ہے۔ ان کی نیتوں پر بغیر ثبوت کے جو حملے کئے گئے تھے ان کو واقعات و حالات کی روشنی میں غلط ثابت کیا ہے۔ یہ الزامات کچھ اس قسم کے تھے کہ جائزہ کمیٹی نے جماعت کی یک رخی تصویر کشی کی ہے' یہ کہ مواد اس طرح پیش کیا گیا ہے جس سے کمیٹی شوریٰ کو انتہائی نتائج تک پہنچانا چاہتی ہے۔ یہ کہ شوریٰ کے اجلاس میں امیر جماعت پر دباؤ ڈالا گیا۔ یہ کہ جتھہ بندی کرکے امیر جماعت کو مخصوص لوگوں کا آلہ کار بنانے کی کوشش کی گئی وغیرہ وغیرہ۔ اس طرح کے بے بنیاد الزامات کا اس خط میں بالتفصیل تجزیہ کرکے انہیں بے بنیاد ثابت کیا گیا ہے۔

جائزہ کمیٹی کی رپورٹ کے بعد ارکان شوریٰ دو دھڑوں میں بٹ گئے۔ ایک دھڑے میں تو وہ لوگ تھے جو جائزہ کمیٹی کی رپورٹ کو مبنی بر حقیقت تصور کرتے تھے۔ دوسرے دھڑے نے جس کے لئے مولانا اصلاحی نے

"سرکاری پارٹی" کی اصطلاح استعمال کی ہے اس رپورٹ کے متعلق مولانا کے الفاظ کے مطابق یہ کوہر افشانی کی "کہ جائزہ کمیٹی کی رپورٹ نے حالات اور خرابیوں کا جو نقشہ پیش کیا ہے وہ قابل اعتنا نہیں ہے۔ اگر صحابہؓ کے زمانے میں کوئی جائزہ کمیٹی بیٹھتی تو وہ اسی طرح کی رپورٹ پیش کر دیتا" (صفحہ ۷۹)

دراصل یہ الفاظ اس "پارٹی" کی ترجمانی کرتے ہوئے ایک ایسے صاحب نے کہے تھے جو رکن شوریٰ ہونے کے علاوہ جماعت کے حلقوں میں ایک لکھاڑ کی حیثیت رکھتے ہیں۔ جو بات کہنے کی انہوں نے جسارت کی ہے اسے سن کر ایک مسلمان کانپ اٹھتا ہے۔ اس موضوع پر یہاں سیر حاصل بحث تو مقصود نہیں البتہ چند حوالے دیکر ہم یہ واضح کرنا چاہتے ہیں کہ ایسی ہرزہ سرائی خدا اور رسولؐ کے نزدیک کیا حیثیت رکھتی ہے۔ قرآن میں فرمایا گیا۔

محمد رسول الله والذين معه اشداء على الكفار رحماء بينهم تراهم ركعا سجدا يبتغون فضلا من الله و رضوانا سيماهم في وجوههم من اثر السجود ذالك مثلهم في التورة و مثلهم في الانجيل كزرع اخرج شطئه فازره فاستغلظ فاستوى على سوقه يعجب الزراع ليغيظ بهم الكفار وعد الله الذين امنوا و عملوا الصلحت منهم مغفرة و اجرا عظيما (الفتح ۴۸:۲۹)

ترجمہ : محمدؐ اللہ کے رسول اور جو ان کے ساتھ ہیں وہ کفار پر سخت آپس میں رحم دل ہیں۔ تم ان کو اللہ کے فضل اور اس کی خوشنودی کی طلب میں رکوع و سجود میں سرگرم پاؤ گے۔ ان کا امتیاز ان کے چہروں پر سجدوں کے نشان سے ہے۔ ان کی یہ تمثیل تورات میں ہے اور انجیل میں ان کی تمثیل یوں ہے کہ جیسے کھیتی ہو جس نے نکالی اپنی سوئی' پھر اس کو سہارا دیا' پھر وہ سخت ہوئی پھر وہ اپنے تنہ پر کھڑی ہو گئی' کسانوں کے دلوں کو موہتی ہوئی تاکہ کافروں کے دل ان سے جلائے۔ اللہ نے ان لوگوں سے جو ان میں سے ایمان لائے اور جنہوں نے نیک عمل کئے مغفرت اور ایک اجر عظیم کا وعدہ کیا ہے (تدبر قرآن جلد ۷ صفحہ ۴۶۷)

مناقب صحابہؓ کے سلسلے میں ہم صرف دو احادیث نقل کرتے ہیں۔

۱۔ **اذا رايتم الذين يسبون اصحابي فقولوا لعنت الله على شر كم** (مشکوٰۃ بحوالہ ترمذی)

ترجمہ : جب تم دیکھو ان لوگوں کو جو میرے صحابہؓ کی توہین کرتے ہیں تو کہو کہ تمہاری اس حرکت شنیعہ پر خدا کی لعنت ہو۔

۲۔ **الله الله في اصحابي لا تتخذوهم غرضا من بعدي' فمن احبهم فبحبي احبهم ومن ابغضهم فببغضي ابغضهم۔ ومن اذاهم فقد اذاني ومن اذاني فقد اذى الله ومن اذى الله فيوشك ان يا خذه** (مشکوٰۃ بحوالہ ترمذی)

ترجمہ : میرے صحابہؓ کے معاملے میں اللہ سے ڈرو۔ (پھر فرمایا) اللہ سے ڈرو۔ میرے بعد انہیں نشانہ طعن نہ بناؤ۔ جس نے ان سے محبت کی تو اس نے میری وجہ سے ان سے محبت کی اور جس نے ان سے اظہار بغض کیا تو اس نے (گویا) مجھ سے بغض کی وجہ سے ان سے بغض کیا۔ اور جس نے ان کو اذیت دی اس نے مجھے اذیت کا نشانہ بنایا۔ اور جس نے مجھے اذیت پہنچائی اس نے خدا کو اذیت پہنچائی۔ اور جس نے خدا کو اذیت پہنچائی تو عنقریب خدا اس کے مواخذہ کرے گا۔

مولانا مودودی کے نام مولانا اصلاحی نے یہ خط ان الفاظ پر ختم کیا ہے :

"میرے نزدیک آپ کے اقدام کا اصلی محرک یہ ہے کہ جائزہ کمیٹی کی رپورٹ نے ایک طرف تو ہماری تصویر ہمارے سامنے رکھی ہے اور دوسری طرف اس کے ارکان نے ہمارے ہاتھ میں ہمارے ہی لکھے ہوئے لٹریچر کا آئینہ بھی پکڑا دیا ہے۔ اب جب اس آئینے میں ہم اپنی صورت دیکھتے ہیں تو وہ بڑی ہی بھیانک نظر آتی ہے۔ ہم یہ ماننے کے لئے تیار نہیں ہیں کہ فی الواقع ہماری صورت ہی مسخ ہو چکی ہے۔ اس وجہ سے اس کے سوا چارہ نہیں کہ یہ آئینہ ہی توڑ کر پھینک دیا جائے اور ساتھ ہی ان لوگوں کے سر بھی توڑے جائیں جو یہ تصویر اور یہ آئینہ ہمارے سامنے لائے ہیں۔"

اس کے بعد اس حصہ کتاب کے سات مقالات میں دینی فکر میں ان تحریفات پر بحث کی گئی ہے جن کو مولانا مودودی اپنی نئی پالیسیوں کو از روئے دین اسلام جائز ثابت کرنے کے مرتکب ہوئے۔ اس دور میں امیر جماعت اسلامی کو یہ مشکل درپیش تھی کہ وہ کس طرح نظام اسلامی کے قیام کی جدوجہد میں اعلان شدہ ترتیب کار کو الٹ دیں۔ یعنی "انقلاب فکر و اخلاق کے نتیجے میں اسلامی نظام وجود میں آتا ہے" کے بجائے "حکومت پر قبضہ کرکے اسلامی فکر و اخلاق پیدا کرنے کی کوشش" کے لئے جواز مہیا کیا جائے۔ اس ضرورت کے تحت انہوں نے اس سعی لاحاصل کے دوران اسلام سے مختلف قسم کے دور از کار نظریات منسوب کئے۔ چنانچہ اس حصہ کتاب کے دوسرے مقالے میں مولانا اصلاحی نے مولانا مودودی کے نظریہ "حکمت عملی" کا جائزہ پیش کیا ہے۔ مؤخر الذکر نے حکمت عملی کا جو مطلب لیا ہے وہ مولانا اصلاحی کے الفاظ میں یہ ہے "دین کے امور کو وہ قائد ہی سمجھ سکتا ہے۔ جو دین کو بحیثیت ایک تحریک کے دنیا میں برپا کرنے کے لئے اٹھتا ہے۔ اس کو دوسرے لوگ نہیں سمجھ سکتے۔" اس کا دوسرا اصول یہ تھا کہ "دین کے کچھ اصول تو ہمیشہ رہنے والے ہیں مثلاً توحید اور ایمان بالآخرت وغیرہ۔ مگر دوسری چیزوں کو حکمت عملی کے تقاضوں کے تحت قائد تبدیل کر سکتا ہے۔" (صفحہ ۸۷)

اس نظریہ پر مولانا اصلاحی نے طویل بحث کی ہے اور ثابت کیا ہے کہ یہ اصول کئی قسم کی قباحتوں اور دین میں تحریفات کا دروازہ کھول سکتا ہے۔ ایسی بعض قباحتوں اور تحریفات کو مولانا نے بطور مثال گنوایا ہے۔ اس نظریہ حکمت عملی کی تائید میں مولانا مودودی نے متعدد شرعی اصطلاحات کی دور از کار تاویلات کرکے ان کا سہارا لیا

ہے۔ مثلاً انہوں نے فرمایا ہے کہ اہون البلیتین کا اصول بھی حکمت عملی کے تحت وضع کیا گیا۔ راویان حدیث پر جرح اگرچہ غیبت کے زمرے میں آتی ہے لیکن اسے حکمت عملی کے اصول کے تحت گوارا کیا گیا ہے۔ الائمۃ من قریش والی حدیث بھی حکمت عملی کے تحت آتی ہے۔ مصلحت کو بھی اسی زمرے میں شمار کیا ہے اور اکراہ واضطرار کی غلط تعبیر کرکے سیاست میں من مانی حرکات کے لئے وجہ جواز تلاش کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔

مولانا اصلاحی نے مختلف مقالات میں مودودی صاحب کی ان تاویلات کی تغلیط کرتے ہوئے ان کے پیچھے جو ذہن اور عزائم کام کر رہے ہیں ان کا مفصل تجزیہ کرکے ان تمام باتوں کو ان کے اصل مطالب سے انحراف کی ایک ناکام کوشش ثابت کیا ہے۔ نیز انہوں نے مدلل بحث کرکے ان تمام مصطلحات ومسائل کی اسلامی تعلیمات و نظریات کی روح کی روشنی میں وضاحت کی ہے۔ ان مباحث کو اختصار کے ساتھ بھی یہاں تحریر کرنا طوالت کا باعث ہوگا' لہٰذا ناظرین اصل کتاب سے مراجعت کریں۔ یہ مضامین بظاہر اختلاف کا انداز لئے ہوئے ہیں لیکن ان میں اونچے قسم کے علمی مذاق کا مظاہرہ کیا گیا ہے اور ایک قاری کے لئے ان میں بہت سا علمی مواد موجود ہے۔

تیسرا حصہ کتاب جس کا عنوان "معاشرہ کی اصلاح کا منہاج ہے" گیارہ مقالات پر مشتمل ہے۔ ان کے اجمالی عنوان سے ان کا موضوع اور ان میں کئے گئے مباحث کی نوعیت کا اندازہ کیا جا سکتا ہے۔ مولانا نے ایک خاص ترتیب کے ساتھ اس سلسلہ مقالات میں ایسی تجاویز پیش کی ہیں جن پر عمل پیرا ہو کر مسلمان جمہور میں عام طور پر اور تعلیم یافتہ مسلمان نوجوانوں میں خاص طور پر اسلامی نظریات کی بنیاد پر تعمیر فکر کا کام کیا جا سکتا ہے۔ مولانا نے اس نظریے پر زور دیا ہے کہ مثبت طور پر اسلامی نظام کی عمارت کی خشت اول کی حیثیت اسی کام کو حاصل ہے' اور اس سلسلے میں منفی کام یہ کرنا ہوگا کہ مسلمانوں کے اندر مغربی افکار و نظریات کے نفوذ کو روکا جائے اور اس تمدن کے جو اقدار جڑ پکڑ رہے ہیں انہیں محو کیا جائے۔ مولانا نے یہ بات واضح کر دی ہے کہ تجربات ومشاہدات اور تحقیقی کاوشوں سے مغرب والوں نے طبیعیات کے شعبے میں جو اختراعات و ایجادات کی ہیں ان کو تو ان سے لینا ہوگا لیکن ان کی بنیاد پر وہاں جن مادہ پرستانہ اور خدا ناشناس نظریات نے جنم لیا ہے ان سے مسلمانوں کے لئے احتراز لازمی ہے۔

اس حصہ کتاب میں مولانا نے اپنے دعوے کو بتدریج منطقی نتیجے تک پہنچایا ہے۔ ابتداء "انہوں نے دینی نقطہ نظر سے مسلمانوں کی زبوں حالی اور اسلام کے سلسلے میں تجدد پسند طبقے کے طرز عمل پر تبصرہ کیا ہے۔ اس کے بعد وہ فرماتے ہیں کہ اگر اسلامی طرز زندگی کو اپنانا ہے تو ہمیں تین باتیں ذہن نشین کر لینی چاہیں۔

اولاً "یہ کہ مغربی نظام زندگی اور مغربی تہذیب ومعاشرت اسلامی سے بالکل متغائر چیزیں ہیں"۔

ثانیاً "اسلام کی تعبیر کرنے کا حق 'کوئی شخص پسند کرے یا نہ کرے' لیکن ہے صرف انہی لوگوں کو جو قرآن وحدیث میں گہری بصیرت رکھتے ہیں"۔

ثالثاً "اسلام بڑے عزم وہمت کا طالب ہے۔ جن لوگوں نے ماضی میں اس کو قائم کیا انہوں نے اس کے لئے اپنے آسمان و زمین الگ بنائے۔ آئندہ بھی جو لوگ اس کو قائم کرنا چاہیں گے انہیں اپنے آسمان و زمین الگ بنانے پڑیں گے"

مولانا نے اس تینوں شرائط کی وضاحت بھی کی ہے۔

اس کے بعد مولانا نے دو نکات پر بحث کی ہے۔ اول یہ کہ اسلامی نظام قائم کرنے کے لئے ہمارے معاشرے کی اصل بیماری کی تشخیص ضروری ہے' اور دوسرے اس کام کے لئے جو افرادی ومادی وسائل میسر ہو سکیں انہیں یکجا کرکے اس مصرف میں لایا جائے جسے حصول مقصد کے لئے تقدیم کا مقام حاصل ہے۔ منتشر کوششوں سے نتائج کے برآمد ہونے کی توقع نہیں کی جا سکتی۔

پھر "معاشرہ کے بگاڑ کی ہمہ گیری" کے عنوان کے تحت حلقہ علماء وصوفیاء' جدید تعلیم یافتہ طبقہ اور عوام کی حالت کا جائزہ لیا گیا ہے' اور ان میں پائی جانے والی خامیوں کی اصلاح کی طرف توجہ دلائی گئی ہے۔

تین مقالات میں ان تمہیدی جائزوں کے بعد "اقامت دین کے لئے انبیاء کا طریق کار" کے عنوان کے تحت جو بحث کی ہے وہ اس عنوان کے الفاظ سے ظاہر و باہر ہے۔ اس سلسلے میں پانچ خصوصیات کا تذکرہ کیا ہے' اور وہ یہ ہیں۔

پہلی "قول وعمل کا موافق۔"

دوسری "سیاسی تبدیلی سے پہلے معاشرے کی اصلاح۔"

تیسری "الحب للہ والبغض للہ"

چوتھی "اصل نہج تبلیغ وشہادت"

پانچویں "مقصود حقیقی صرف فلاح اخروی"

ان پانچ ذیلی عنوانات کے تحت مولانا نے اصولی وضاحتیں کی ہیں۔

ازاں بعد دین کو قائم کرنے کے لئے جماعتی انداز سے کام کرنے کی اہمیت کو تسلیم کرتے ہوئے دور حاضر میں مذہبی وسیاسی جماعتوں کے چلن پر محکم دلائل کی اساس پر عدم اطمینان کا اظہار کیا ہے اور متنبہ کیا ہے کہ معروف طرز کی جماعت سازی چونکہ عام طور پر حب اقتدار پر منتج ہوتی ہے لہٰذا دینی کام کو بے لوث انداز سے کرنے والے اگر ایک ایسی تنظیم تشکیل دے لیں جو "اقتدار کی ہوس اور سیاسی طالع آزمائی" کے فتنہ سے اپنے آپ کو محفوظ رکھے تو یہی افادیت کا باعث ہوگی۔ اس اشکال کو دور کرنے کے لئے کہ کیا یہ تنظیم حالات زمانہ سے کٹ کر کام کرے گی' مولانا نے لکھا ہے کہ "اگر کسی معاشرہ میں اللہ کا دین جڑ پکڑے گا تو اس معاشرہ کی سربراہی خود بخود دین اور اہل دین کے ہاتھوں میں آجائے گی" (صفحہ ۲۹)

اس کے بعد اس حصے کے چار آخری مضامین میں مولانا نے دینی تعلیم و تربیت کے لئے ایک ادارے کے قیام پر گفتگو کی ہے۔ اس میں جو مرکزی مقصد پیش نظر ہے وہ مولانا کے الفاظ میں یہ ہے۔ "اس زمانہ میں اسلام کی کوئی موثر اور مفید خدمت وہی لوگ انجام دے سکتے ہیں جن کو ایک طرف اسلام میں رسوخ حاصل ہو اور دوسری طرف موجودہ سائنس اور فلسفہ میں بھی رسوخ حاصل ہو"۔ اس سلسلے میں انہوں نے علامہ اقبالؒ کے ایک مکتوب کا حوالہ اور اس میں سے اقتباس بھی دیا ہے جو علامہ نے شیخ الازہر کو لکھا تھا' اور اس میں ایک ایسے تعلیمی و تربیتی ادارے کے لئے ان سے تعاون کی اپیل کی تھی جس میں دینی علوم کے علاوہ علوم جدیدہ کی بھی تعلیم دی جائے۔ اس نظریئے کو عملی جامہ پہنانے کے لئے مولانا اصلاحی نے اپنے طور پر علوم جدیدہ کے بعض فارغ التحصیل نوجوانوں کو جمع کر کے "حلقہ تدبر قرآن" کے نام سے ایک حلقہ قائم کر رکھا ہے جسے مولانا نے اپنے ایک دیرینہ خواب سے تعبیر کیا ہے۔ مذکورہ بالا چار مقالات میں مولانا نے ایسے حلقے کی ضرورت' اس کے نصاب اور اس کی رفتار کار پر گفتگو کی ہے۔

چوتھے حصہ کتاب کا عنوان "مغربی تہذیب سے مرعوبیت کے اثرات" ہے۔ اس میں دو مقالات شامل ہیں۔ ایک "جدید فلسفہ و سائنس سے مرعوبیت کے اثرات" اور دوسرا "خاندانی منصوبہ بندی اور مذہب"۔ اول الذکر مقالہ میں مولانا نے اس حقیقت کی صراحت کی ہے کہ مغربی غلبہ و استیلاء کی وجہ سے ہمارے اذہان نے مغرب سے آنے والے افکار کے اثرات کو بڑے پیمانے پر قبول کیا ہے' اور اس فکری نفوذ نے ہمیں اپنی اخلاقی اقدار و معیارات سے بیگانہ کر دیا ہے۔ تجدید پسند طبقے کی جسارت اس حد تک پہنچ گئی ہے کہ وہ مغربی افکار اور ان کے نتیجے میں جس تمدن نے جنم لیا ہے اس کے مظاہر کی تائید میں اسلام کے اصولوں کی غلط اور دور از کار تاویلات سے بھی گریز نہیں کرتے۔ اس طرز عمل کی مولانا نے متعدد مثالیں پیش کی ہیں۔

اس حصے کا دوسرا مقالہ جو "خاندانی منصوبہ بندی اور مذہب" کے عنوان کے تحت لکھا گیا ہے اس میں مولانا نے اسلامک ریسرچ انسٹیٹیوٹ کے ڈائرکٹر کے ایک مقالے پر تنقید کی ہے۔ اس ادارے کو حکومت پاکستان نے اس اعلان کے ساتھ قائم کیا ہے کہ وہ ہماری اجتماعی زندگی کو اسلامی اصولوں کے مطابق ڈھالنے کے لئے نشانات راہ کا تعین کرے۔ لیکن بدقسمتی سے اس ادارے کے سربراہوں نے اسلام کو مغربی فکر کے مطابق ثابت کرنے کا بیڑا اٹھا لیا ہے۔ زیر تنقید مقالہ میں خاندانی منصوبہ بندی کو اسلام کے مطابق ثابت کرنے کی کوشش کی گئی ہے اور اس سلسلے میں قرآن و سنت اور اسلاف میں سے خصوصیت کے ساتھ امام غزالیؒ کو اس کے موید قرار دیا ہے۔ مولانا نے اس مسئلے پر سیر حاصل بحث کی ہے' اور مستغربین یا مغربی نظریات کے (مسلمان) علمبرداروں کے فکری انداز پر تبصرہ کرنے کے بعد نفس مسئلہ پر قرآن و سنت اور امام غزالیؒ کی تحریروں سے حوالے دے کر خاندانی منصوبہ بندی کو اصولی لحاظ سے نقصان دہ ثابت کیا ہے۔ اس کے علاوہ انہوں نے یہ

نکتہ بھی اٹھایا ہے کہ آخر اس میں کیا تک ہے کہ تم لوگ ملکی پیداوار تو بڑھانے کی کوشش نہیں کرتے لیکن آبادی کو کم کرنے کی تدابیر سوچتے ہو۔ اس کے علاوہ اس منصوبے کے نفاذ سے معاشرتی زندگی میں جو خرابیاں اور جنسی بے راہ رویاں رونما ہوتی ہیں ان کی بھی نشان دہی کی گئی ہے۔

ضعیف احادیث کی معرفت اور ان کی شرعی حیثیت

تصنیف ..... غازی عزیر
شائع کردہ ..... فاروقی کتب خانہ الفضل مارکیٹ اردو بازار لاہور

اس کتاب کے فاضل مصنف کا تعلق مبارک پور اعظم گڑھ (ہند) کے علمی خاندان سے ہے اور وہ فن حدیث پر اپنے مقالات کے باعث علمی حلقوں میں جانے پہچانے ہیں۔ ان کے پیش نظر نکتہ تحقیق یہ ہے کہ محدثین کے نزدیک ضعیف حدیث کیا ہے۔ اس کی روایت کے اصول کیا ہیں' اور اس کے رد و قبول کے بارے میں علماء کے مابین کیا اختلاف ہے۔ اس تحقیق کی خاطر انہوں نے تقریباً پونے دو سو کتب کی مراجعت کی اور اپنی تحقیق زیادہ تر اقتباسات کی صورت میں پیش کی ہے، جس سے ہر معاملے میں اہل فن کی آراء سامنے آ جاتی ہیں۔ چونکہ کئی مقامات پر اقوال ایک دوسرے سے مختلف یا متناقض بھی ہیں اور ہر جگہ مصنف نے محاکمہ کر کے اپنی رائے نہیں دی اس لئے ایسے مقامات پر قاری شش و پنج میں پڑ جاتا ہے کہ وہ ان اقوال میں سے کس کو اختیار کرے۔ یہ اختلاف خود ضعیف حدیث کی تعریف میں بھی موجود ہے۔ امام سیوطی کے نزدیک ضعیف حدیث وہ ہے جس میں صحیح اور حسن حدیث کی صفات و شرائط (یعنی سند کا اتصال' راویوں کی عدالت و ضبط' عدم شذوذ' عدم علت وغیرہ) نہ پائی جائیں۔ اہل فن کے نزدیک ایسی حدیث کے طرق کی کثرت بھی پائی جائے تب بھی اس کو صحیح یا حسن کا درجہ نہیں دیا جا سکتا اور نہ اس سے کسی چیز کا استحباب ثابت ہوتا ہے۔ محدثین

کی اکثریت کا نقطہ نظر یہ ہے کہ جب کسی حدیث کا ضعف بدلائل ثابت ہو جائے تو پھر امور شریعت میں اس پر عمل کرنے کا کوئی جواز باقی نہیں رہتا' خواہ حدیث کا تعلق احکام و عقائد سے ہو یا فضائل اعمال' ترغیب و ترہیب اور مناقب وغیرہ سے۔ بعض دوسرے علماء ان کو فضائل اور ترغیب و ترہیب کے مضامین کی حامل ہونے کی صورت میں بشرائط یا بلا شرائط قبول کر لینے کے حق میں ہیں۔ فاضل مصنف کی اپنی رائے' جو بلاشبہ درست ہے' یہ ہے کہ احتیاط و ورع کا تقاضا یہ ہے کہ تمام ضعیف احادیث سے بچنے کی ہر ممکن کوشش کی جائے۔ جب تک کسی حدیث کی صحت ثابت نہ ہو جائے اس کی نشر و اشاعت اور روایت جائز نہیں ہے اور جو

شخص ضعیف حدیث پر عمل کرے وہ کذب علی رسول اللہ کے گناہ میں مبتلا ہے۔

ضعیف احادیث کے بارے میں علماء کی غفلت کا ذکر کرتے ہوئے فاضل مصنف نے متعدد ایسی روایات نقل کی ہیں جو نہ صرف ضعیف بلکہ موضوع ہیں لیکن علماء ان پر عمل کو مستحب یا سنت قرار دیتے ہیں۔ مصنف نے ان روایات کے کمزور پہلوؤں کی نشان دہی کی ہے اور بدلائل ان کو رد کیا ہے۔ ان کا خیال ہے کہ فضائل اعمال' ترغیب و ترہیب اور یہ احتیاط پسندی کہ کہیں قول رسول غلطی میں چھوٹ نہ جائے وہ چور دروازے ہیں جن کے ذریعے ضعیف روایات دین کے اندر داخل ہو کر لوگوں کی گمراہی کا باعث ہوتی ہیں۔ وہ نہایت درد مندی کے ساتھ کہتے ہیں کہ "حق بات تو یہ ہے کہ آج امت کے اندر چھار سو جو انتشار' خرافات' بدعات اور رسوم نظر آتی ہیں ان سب کی مادر ایجاد یہی ضعیف احادیث پر بلا تمیز عمل کی دعوت ہے۔"

فاضل مصنف نے ضمنی طور پر درایت حدیث کو بھی موضوع بحث بنایا ہے۔ ان کا خیال ہے کہ یہ اصطلاح آٹھویں صدی ہجری میں وضع کی گئی اور اس سے مراد وہ علم ہے جس میں الفاظ حدیث کے معنی و مفہوم پر بحث ہوتی ہے۔ کوئی روایت خواہ اقتضائے طبیعت' قواعد لسانیات' زمانہ کی خصوصیات اور عقلی قرائن کے خلاف ہی کیوں نہ وارد ہو اگر روایت حدیث کے معیار پر پوری اترتی ہے تو اسے صحیح اور حجت ہی قرار دیا جائے گا۔ فاضل مصنف کا یہ نقطہ نظر ان محدثین کے نقطہ نظر کے عین مطابق ہے جن کا تمام تر اعتماد سند پر ہوتا ہے لیکن اس سے فہم حدیث کی مشکلات حل نہیں ہوتیں۔ ان کو درایت کے مفہوم کی "نعمانوی تعبیر" پر اعتراض ہے تو اس کو ترک کر دیں اور ابن الجوزی کے الفاظ میں کل حدیث رایتہ یخالف المعقول' یا علامہ سخاوی کے الفاظ میں یکون ممایدفع الحس والمشاھدہ' یا ابن قیم کے الفاظ میں 'مخالفتہ الحدیث لصریح القرآن کی تعبیر کو اختیار کر لیں لیکن نقد متن حدیث کی ضرورت کو سمجھیں۔ یہ چیز علم حدیث کو جلا دینے والی ہوگی' اس کی اہمیت کو کم کرنے والی نہ ہوگی۔

ہمارے نزدیک کتاب ایک اہم موضوع پر لکھی گئی ہے اور نتائج بھی اچھے حاصل کئے گئے ہیں لیکن یہ موضوع تشنہ رہ گیا ہے کہ ضعیف حدیث ہوتی کیا ہے۔ اصطلاحات میں لپٹی ہوئی دو تین تعریفوں سے ایک عام قاری اس کا مفہوم نہیں سمجھ سکے گا۔ نیز متن کے ضعف کو برداشت کرتے ہوئے امت کو اس انتشار سے نجات نہیں دلائی جا سکتی جس کی طرف فاضل مصنف نے اشارہ کیا ہے۔ کتاب سوا دو سو صفحات پر مشتمل ہے اور اس کی قیمت ۴۸ روپے ہے۔